ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
فروری ۲۰۱۴ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اسلامی اخوت اور خونِ مسلم کی حرمت
"اربعینِ نوویؒ" کی ایک حدیث کی تفہیم
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

داعی رجوع الی القرآن بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(آٹھواں ایڈیشن) ——— صفحات: 360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم سورۂ آلِ عمران تا سورۃ المائدہ
(چھٹا ایڈیشن) ——— صفحات 321، قیمت 425 روپے

حصہ سوم سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم سورۂ یونس تا سورۃ الکہف
(تیسرا ایڈیشن) ——— صفحات 394، قیمت 460 روپے

حصہ پنجم سورۂ مریم تا سورۃ السجدۃ
(دوسرا ایڈیشن) ——— صفحات 480، قیمت 575 روپے

* عمدہ طباعت * دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد * امپورٹڈ آفسٹ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خُدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون (042)35869501-3

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد :	63
شمارہ :	2
ربیع الثانی	1435ھ
فروری	2014ء
فی شمارہ	25/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک	250 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقامِ اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36313131

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ———— 5

اُسوۂ حسنہ ﷺ: دنیوی اور اُخروی کامیابی کی کلید — ایوب بیگ مرزا

بیان القرآن ———— 9

سورۃ النّحل (آیات ۴۱ تا ۸۹) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ حدیث ———— 33

اسلامی اخوت اور خونِ مسلم کی حرمت — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دعوتِ فکر ———— 52

۱۲ ربیع الاول کے جلوس کی حقیقت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اصلاحِ رسوم ———— 59

بارات اور جہیز کا تصور: مفاسد اور حل — حافظ صلاح الدین یوسف

اسلام اور مغرب ———— 79

اسلام کا تصورِ حیا اور ویلنٹائن ڈے — ڈاکٹر گوہر مشتاق

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اُسوۂ حسنہ ﷺ: دُنیوی اور اُخروی کامیابی کی کلید

اللہ ربّ العزت اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے: ''بے شک ہم نے اپنی امانت کو پیش کیا آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو اُنہوں نے اسے اُٹھانے سے انکار کیا اور وہ اِس سے ڈر گئے' جبکہ انسان نے اِسے اُٹھالیا' بے شک وہ بڑا ظالم اور نادان ہے''۔ (الاحزاب:۷۲) یہ امانت تھی جو عقل اور اختیار کے بدلے میں سونپی گئی۔ آسمان وزمین اور پہاڑوں نے اِس ذمہ داری کا بوجھ اُٹھانے سے معذوری ظاہر کردی لیکن حضرتِ انسان نے یہ رسک لے لیا۔ ایک بات اِس سے خود بخود اخذ ہوتی ہے' وہ یہ کہ انسان بیک وقت انتہائی خوش قسمت اور انتہائی بدقسمت ہے۔ اگرچہ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ امانت قبول کرنے کے بعد بھی اُس نے انسان کو تنہا نہیں چھوڑ دیا۔ یہ ذمہ داری اُسے کیسے نبھانی ہے' یہ بتانے اور سکھانے کے لیے مخصوص افراد یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا چناؤ کیا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور اُنھیں روشن نشانیوں اور دلائل کے ساتھ بھیجا کہ وہ بنی آدم کو بتائیں کہ وہ تفویض شدہ ذمہ داری کو کیسے احسن طریقے سے نبھا سکتے ہیں۔ انہوں نے واضح دلائل کے ساتھ لوگوں کو بتا دیا کہ وہ ہمیشہ کی کامیابی اور کامرانی کیسے حاصل کر سکتے ہیں' اور اگر اُنھوں نے یہ ذمہ داری کسی درجہ میں بھی نہ نبھائی تو اُنھیں کیسے دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو انسان کے حقیقی محسن انبیاء و رسل علیہم السلام تھے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ انسانوں کے سب سے بڑے محسن ہیں۔ آپ ﷺ کو دوستوں نے ہی نہیں دشمنوں نے بھی اعلیٰ القاب سے نوازا۔ آپؐ کو امین اور صادق کا خطاب قریشِ مکہ نے دیا تھا۔ لیکن آپ ﷺ کے لیے موزوں ترین خطاب ''محسنِ انسانیت ﷺ'' کا ہے۔ انسان جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے اور اِس میں گرا چاہتے تھے۔ حضور ﷺ اُنھیں کپڑوں سے کھینچ کر واپس لائے۔ انسان پر اِس سے بڑے احسان کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اللہ اور اُس کے پیغمبروں نے صرف انسان کی آخرت سے تعلق رکھا بلکہ انہوں نے اُسے دنیا میں بھی بامقصد اور باعزت زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا۔ حضور ﷺ نے نجی سطح پر فرد کو آگاہ کیا کہ ہمسائیگی کے تقاضے کیا ہیں' راستے کے حقوق کیا ہیں' صفائی اور ستھرائی کا ایمان سے تعلق کیا ہے'

تجارت کے اصول کیا ہیں' غیبت' عیب جوئی اور رحمی رشتوں کا انقطاع کتنے بڑے جرائم ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اجتماعی سطح پر مسلمانوں کو سیاسی اور سماجی رہنمائی عملاً فراہم کی' مثلاً اہلِ مدینہ کو میثاق میں باندھ کر سیاسی حکمتِ عملی کی اعلیٰ ترین مثال قائم کی اور مہاجرین وانصار کو اخوت ومحبت کے رشتے میں پرو کر ناممکن کو ممکن بنایا۔ مختلف غزوات میں اپنی جنگی حکمت عملی سے طاقتور اور بڑے دشمن کو بےبس کر دیا۔ صلح حدیبیہ صورت حال کا صحیح ادراک اور خصوصی حالات میں مشکل ترین فیصلہ کرنے کی ایک روشن مثال ہے۔ آپ ﷺ کا کوئی ایک ساتھی بھی اس فیصلے کی حکمت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین قرار دیا اور یہی فیصلہ فتح مکہ کی بنیاد بنا۔ آپ ﷺ نے سربراہِ جماعت اور سربراہِ حکومت کی حیثیت سے عدل وانصاف کے تقاضے یوں پورے کیے کہ دنیا ششدر رہ گئی۔ یہودی بحیثیت قوم آپ ﷺ اور اسلام کے بدترین دشمن تھے' لیکن آپ کی عدالت سے مسلمان کے مقابلے میں ایک یہودی کے حق میں فیصلہ صادر ہو رہا ہے۔ ایفائے عہد اور حسن اخلاق کا جو معیار آپؐ نے قائم کیا اس کی گرد کو بھی کوئی نہ پا سکا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں مساوات اور انسانی بنیادی حقوق کا جو درس آپؐ نے دنیا کو ڈیڑھ ہزار سال پہلے دیا آج اسے نام نہاد مہذب اور ترقی یافتہ دنیا اس کی نقل کرتے ہوئے انسانی حقوق کے چارٹر کا نام دے کر پیش کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ حاکم کہلانے والا حقیقت کی رو سے اپنی رعایا کا خادم اور حقیقی مونس و غم خوار ہوتا ہے' کیا محمدٌ رسول اللہ ﷺ سے پہلے اس کا تصور بھی کیا جاسکتا تھا؟

حیرت اس بات پر ہے اور سوال یہ ہے کہ جس اُمت کے قائد نے اپنے پیروکاروں کو نجی اور اجتماعی زندگی کے یہ تمام اَسرار ورموز سکھا' سمجھا اور پڑھا دیے ہوں اُس نبی ﷺ کے اُمتی یعنی مسلمان آج ذلت ونکبت سے لبریز زندگی گزارنے پر کیوں مجبور ہیں؟ ہم ذلیل وخوار کیوں ہیں؟ ہماری دعائیں کیوں نہیں قبول ہوتیں؟ دشمن کے دلوں سے ہماری ہیبت کیوں جاتی رہی ہے؟ دشمنانِ اسلام ہم پر حاوی کیوں ہیں؟ ہم پر خوف اور بھوک کا عذاب کیوں مسلط ہے؟ ان سوالات کا جواب بھی ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ سے ہی مل سکتا ہے۔ ہم اگر آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اِس ذلت ورسوائی کی صرف اور صرف وجہ یہ ہے کہ ہم محسن انسانیت ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کو ترک کر چکے ہیں۔ ہم یا تو سیکولرازم کی راہ اختیار کر کے دین سے لاتعلق ہو گئے یا مذہب کی ایسی جزئیات میں اُلجھ کر رہ گئے جن کا انسان کی دنیا و آخرت کی فلاح وکامرانی سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم نعت گوئی پر سر بہت دھنتے ہیں' لیکن حضور ﷺ کی دیانت' امانت اور راست گوئی سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہم حضور ﷺ کی غریب پروری پر بہت تقریریں کرتے ہیں' لیکن ہمارا معاشرہ ظلم وستم کے حوالے سے بے مثل ہے۔ راہِ حق پر چلتے ہوئے

جو مصائب حضور ﷺ نے جھیلے اُن کا ہم ذکر بھی کم کرتے ہیں۔

ہم اگر نبی آخر الزماں ﷺ کی مبارک زندگی پر انتہائی سنجیدگی سے غور کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ آپؐ صرف آخری نبی اور رسول ہی نہ تھے‘ بلکہ اللہ ربّ العزت نے آپؐ پر اپنے پسندیدہ دین اسلام کی تکمیل بھی کر دی‘ لہٰذا اب دین کا کسی نہ کسی خطۂ زمین پر نافذ اور قائم ہونا اس کا منطقی تقاضا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام اسی دین کے تکمیلی مراحل کو کسی نہ کسی انداز میں آگے بڑھاتے رہے۔ اگرچہ انہیں شریعت یا لائحہ عمل مختلف دیے گئے لیکن دین سب کا ایک تھا‘ مشن سب کا ایک تھا‘ یعنی انسانوں پر انفرادی اور اجتماعی سطح پر اللہ کے اُس دین کو بالفعل نافذ کیا جائے۔ حضور ﷺ سے پہلے یہ کام بہت سی وجوہات کی بنا پر انجام تک پہنچایا نہ جا سکا‘ حالانکہ مختلف قوموں کو انبیاء و رُسل نے لاجواب کر دینے والے معجزے دکھائے جبکہ آپ ﷺ کا کمال یہ تھا اور یہ کمال لاجواب اور بے مثل تھا کہ آپؐ کے پاس نہ عصائے موسیٰؑ تھا کہ کسی دریا کے سینے کو چیر دیتے‘ یا وہ اژدھا بن کر وقت کے سانپوں کو نگل لیتا‘ نہ آپ ﷺ پر اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آسمان سے خوان اُترا‘ نہ آپؐ نے قریش کو قائل کرنے کے لیے مردے زندہ کر کے دکھائے‘ نہ آپؐ کے لیے آگ کو گلستان میں تبدیل کیا گیا‘ بلکہ جب آپؐ پر سنگ باری ہوئی تو جسمِ اطہر لہولہان ہوا‘ جنگ میں دندانِ مبارک شہید ہوئے‘ یہاں تک کہ جادو کا اثر بھی ہوا۔ لیکن آپ ﷺ نے اللہ کے دین کی دعوت کا کام دن رات جاری رکھا اور خالصتاً انسانی سطح پر کوشش اور جِدّوجُہد سے دینِ حق کو جزیرہ نمائے عرب میں غالب اور نافذ کرنے کا محیر العقول کارنامہ سرانجام دیا۔ یعنی جس دین کی دعوت دی‘ جس کی تبلیغ کی اُسے ایک حقیقت کا روپ دے کر دنیا کو دکھا بھی دیا۔ یہ ہے وہ سنت جسے دانتوں سے پکڑنے کی ضرورت ہے۔

کیا اللہ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ اپنے محبوب کے پاؤں میں کانٹا بھی نہ چبھنے دیتا اور دینِ حق کُل عالم میں نافذ ہو جاتا؟ جس کے ’’کُن‘‘ کہنے سے پہاڑ زمین دوز ہو جائیں‘ سمندر خشک ہو جائیں‘ دریا رُک جائیں وہ اپنے محبوب کو ہیرے جواہرات سے مرقع و مرصع تخت پر بٹھا کر انسان کیا‘ چرند و پرند کو اُس کے حضور حاضر کروا دیتا۔ یہ سب کچھ آسانی سے ممکن تھا‘ لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ انبیاء اور رُسل علیہم السلام کی جماعت میں حضور ﷺ کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل تھا کہ آپؐ کی نبوت و رسالت صرف مقامی نہیں بلکہ آفاقی تھی اور آپ ﷺ کو جو معجزہ قرآن پاک کی صورت میں عطا کیا گیا دوسرے انبیاءؑ کے معجزات کی طرح اُس پر زمانے کی قید نہیں تھی‘ یعنی وہ تا ابد قائم رہے گا اور اُس کے متن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا کہ اُس میں کمی بیشی یا کتر بیونت ممکن نہیں۔ اسی دعوت کی آفاقیت کا تقاضا تھا کہ آغاز میں جو ماڈل دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا‘ اُس میں بھی خالصتاً انسانی

کوششوں کو دخل ہوتا‘ تاکہ باقی دنیا میں اسے نافذ کرنے کے حوالہ سے بعد میں آنے والے انسانوں کے پاس یہ عذر نہ ہوتا کہ آغاز میں تو اسے معجزاتی طور پر نافذ کیا گیا تھا‘ اب اسے کیسے نافذ کیا جائے؟

ہاں میدانِ بدر میں یقیناً فرشتے اترے تھے‘ اور تاریخ میں اللہ کے سپاہیوں کی غیبی مدد کی گواہی بھی ملتی ہے‘ لیکن یہ سہولت تو آج بھی موجود ہے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے اور کرنے کا کام یہ ہے کہ فضائے بدر پیدا کی جائے‘ فرشتے آج بھی قطار اندر قطار اُتریں گے۔ یہ محض شاعری نہیں ہے‘ نہ کوئی سنی سنائی کہانی ہے بلکہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے۔ کیا ہمارے پڑوس افغانستان میں طالبان نے بے سروسامانی کے عالم میں دنیا کی متحدہ عالمی قوت نیٹو کو ناکوں چنے نہیں چبوا دیے؟ طالبان کی فوجی قوت‘ اسلحہ اور مالی وسائل امریکہ اور اُس کے حواریوں کی نسبت نہ ہونے کے برابر ہیں‘ لیکن طالبان اپنی ایمانی قوت کے بل بوتے اور اللہ کی مدد سے امریکہ کو شکست دے چکے ہیں۔ امریکہ اور اُس کے حواری اب افغانستان سے بھاگ نکلنے کے طریقے ڈھونڈ رہے ہیں۔ جبکہ پاکستان کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ ہمارے پاس منظم فوج ہے۔ ہم دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت ہیں لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہونے کی وجہ سے تھر تھر کانپ رہے ہیں اور ہم پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلط ہو چکا ہے۔ افغانستان میں کرزئی اور اُس کی نام نہاد حکومت مکمل طور پر امریکی محاصرے میں ہے۔ اُس کے باوجود وہ خم ٹھوک کر کہتا ہے کہ میں اس سکیورٹی معاہدے پر دستخط نہیں کروں گا جو افغانیوں کی چادر اور چار دیواری کا تحفظ نہ کر سکے اور امریکیوں کو افغانستان میں کھل کھیلنے کی اجازت دے۔ لیکن پاکستان ایٹمی قوت ہونے اور دنیا کی بہترین فوج رکھنے کے باوجود امریکہ کی بے چون و چرا غلامی کر رہا ہے۔

اگر مسلمانانِ پاکستان خود کو اِس غلامی سے آزاد کروانا چاہتے ہیں تو اُنہیں صحیح معنوں میں خود مسلمان بننا ہو گا اور اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے تن من دھن لگا دینا ہو گا۔ ہم حضور ﷺ کی عقیدت میں نعت کا نذرانہ ضرور پیش کریں لیکن حضور ﷺ نے جس مشن کے لیے طائف کی گلیوں اور اُحد کے میدانِ جنگ میں اپنا مبارک خون بہایا اُس مشن کی تکمیل کے لیے میدانِ عمل میں نکلیں اور پاکستان کو ایسا نظام دیں جو لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ کا عملی نمونہ ہو۔ اس صورت میں تو ہم عاشقِ رسولؐ ہیں‘ وگرنہ ۱۲ ربیع الاوّل کو جلوس نکال لینے اور یارسول اللہؐ کے محض نعرے مارنے سے ہم انجامِ بد سے نہیں بچ سکیں گے۔ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہم حضور ﷺ کی درخشندہ تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کریں۔ اللہ ربّ العزت ہمیں حضور ﷺ کی ہر ہر سنت پر عمل کی توفیق دے اور وہ ذمہ داری جسے آسمان و زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کیا تھا اور انسان نے اٹھالی تھی‘ اسے نبھانے کا یہی احسن طریقہ ہے‘ یہی نجات کا راستہ ہے اور یہی کامیابی کی کلید ہے! ❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ النَّحل

آیات ۴۱ تا ۵۰

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ
وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ
الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا
السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي
تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ
شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَاۗىِٕلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾
وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَهُمْ لَا
يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

آیت ۴۱ ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ﴾ ’’اور جن لوگوں نے اللہ کے لیے ہجرت کی‘ اس کے بعد کہ اُن پر ظلم کیا گیا‘ ہم انہیں دُنیا میں بھی ضرور اچھی جگہ دیں گے۔‘‘

﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾﴾ ’’اور (اُن کے لیے) آخرت

کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش کہ اُن کو معلوم ہوتا۔‘‘

آیت ۴۲ ﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں۔‘‘

آیت ۴۳ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ ’’اور (اے نبیﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر مردوں ہی کو (رسول بنا کر) جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے‘‘

یعنی آپﷺ پہلے نبی یا رسول نہیں ہیں بلکہ آپﷺ سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں۔ وہ سب کے سب آدمی ہی تھے اور ان کی طرف ہم اسی طرح وحی بھیجتے تھے جس طرح آج آپؐ کی طرف وحی آتی ہے۔

﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ’’تو تم لوگ اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے ہو۔‘‘

یعنی اے اہلِ مکہ! اگر تم لوگوں کو اس بارے میں کچھ شک ہے تو تمہارے پڑوس مدینہ میں وہ لوگ آباد ہیں جو سلسلۂ وحی و رسالت سے خوب واقف ہیں‘ اُن سے پوچھ لو کہ اب تک جو انبیاء و رسلؑ اس دنیا میں آئے ہیں وہ سب کے سب انسان تھے یا فرشتے؟

آیت ۴۴ ﴿بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ﴾ ’’(ہم نے انہیں بھیجا) کھلی نشانیوں اور کتابوں کے ساتھ۔‘‘

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾

’’اور ہم نے نازل کیا آپؐ کی طرف الذکر‘ تاکہ آپؐ واضح کر دیں لوگوں کے لیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے اُن کی جانب اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔‘‘

یہاں قرآن کے لیے پھر لفظ ’’الذکر‘‘ استعمال ہوا ہے‘ یعنی یہ قرآن ایک طرح کی یاددہانی ہے۔ یہ آیت منکرین سنت وحدیث کے خلاف ایک واضح دلیل فراہم کرتی ہے۔ اس کی رُو سے قرآن کی ’’تبیین‘‘ رسولؐ کا فرضِ منصبی ہے۔ قرآن کے اَسرار و رموز کو سمجھانا‘ اس میں اگر کوئی نکتہ مجمل ہے تو اس کی تفصیل بیان کرنا‘ اگر کوئی حکم مبہم ہے تو اس کی وضاحت کرنا رسول اللہﷺ کا فرضِ منصبی تھا۔ یہ فرض اس آیت کی رو سے خود اللہ تعالیٰ نے آپﷺ کو

تفویض کیا ہے‘ مگر منکرینِ سنت آج آپ ﷺ کو یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق یہ اللہ کی کتاب ہے جو اللہ کے رسولؐ نے ہم تک پہنچا دی ہے‘ اب ہم خود اس کو پڑھیں گے‘ خود سمجھیں گے اور خود ہی عمل کی جہتیں متعین کریں گے۔ حضور ﷺ کے سمجھانے کی اگر کچھ ضرورت تھی بھی تو وہ اپنے زمانے کی حد تک تھی۔ فیا للعجب!

آیت ۴۵ ﴿اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِہِمُ الْاَرْضَ﴾ ’’تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں وہ لوگ جنہوں نے بُری چالیں چلیں اس بات سے کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے‘‘

یہ لوگ ہمارے رسولؐ کے خلاف سازشوں کے جال بننے میں مگن ہیں اور حق کی دعوت کا راستہ روکنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ کیا یہ ڈرتے نہیں کہ اگر اللہ چاہے تو انہیں اس جرم کی پاداش میں زمین میں دھنسا دے؟

﴿اَوْ یَاْتِیَہُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾ ’’یا (انہیں یہ خوف بھی نہیں رہا کہ) اُن پر آ دھمکے کوئی عذاب جہاں سے انہیں گمان تک نہ ہو۔‘‘

آیت ۴۶ ﴿اَوْ یَاْخُذَہُمْ فِیْ تَقَلُّبِہِمْ فَمَا ہُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۴۶﴾﴾ ’’یا وہ انہیں پکڑ لے ان کی چلت پھرت میں‘ پھر وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہیں۔‘‘

یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی روزمرہ زندگی میں‘ معمول کی سرگرمیوں کے دوران ہی ان کی پکڑ کا حکم آ جائے اور پھر اللہ کے اس حکم کے مقابلے میں ان کی کوئی تدبیر بھی کامیاب نہ ہو سکے۔

آیت ۴۷ ﴿اَوْ یَاْخُذَہُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۷﴾﴾ ’’یا انہیں پکڑے خوف دلا کر۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا ربّ بہت بخشنے والا‘ نہایت رحم والا ہے۔‘‘

اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو اچانک بھی پکڑ سکتا ہے‘ مگر چونکہ وہ بہت شفیق اور نہایت رحم فرمانے والا ہے‘ اس لیے اس کا عذاب یونہی بے خبری میں نہیں آتا بلکہ متعلقہ قوم کو پہلے پوری طرح آگاہ کیا جاتا ہے‘ ان پر اتمامِ حجت کے تمام تقاضے پورے کیے جاتے ہیں‘ تب کہیں جا کر عذاب کا فیصلہ ہوتا ہے۔ جیسے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: ﴿وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾﴾ ’’اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسولؐ نہ بھیجیں‘‘۔ یعنی ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے رسولؐ بھیجا گیا‘ جس نے اُن پر

حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا خوب اچھی طرح واضح کر دیا‘ یہاں تک کہ متعلقہ قوم پر حجت تمام ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی۔ اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اور ظلم پر اڑے رہے‘ اُن پر گرفت کی گئی اور عذاب کے ذریعے انہیں نیست و نابود کر دیا گیا۔

آیت ۴۸ ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَہُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾﴾ ’’کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہر شے کی طرف‘ کہ جھکتے ہیں اس کے سائے دائیں اور بائیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے اور وہ سب عاجزی (کی کیفیت) میں ہوتے ہیں۔‘‘

اس آیت میں ہمارے اردگرد کی اشیاء سے پیدا ہونے والے ماحول کی تصویر کشی کی گئی ہے جسے دیکھتے ہوئے ہم اللہ کی کبریائی کا ایک نقشہ اپنے تصور میں لا سکتے ہیں۔ جب سورج نکلتا ہے تو تمام چیزوں کے سائے زمین پر بچھے ہوئے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پھر سورج کے بلند ہونے کے ساتھ ہی ساتھ یہ سائے سمٹتے چلے جاتے ہیں۔ سورج کے ڈھلنے کے ساتھ دوسری سمت میں پھیلتے ہوئے یہ سایے پھر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

آیت ۴۹ ﴿وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّۃٍ وَّالْمَلٰٓئِکَۃُ وَہُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾﴾ ’’اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں اور فرشتے بھی‘ اور وہ تکبر سے کام نہیں لیتے۔‘‘

آیت ۵۰ ﴿یَخَافُوْنَ رَبَّہُمْ مِّنْ فَوْقِہِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ ’’وہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے اوپر اپنے ربّ سے اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔‘‘

یہ خصوصی طور پر فرشتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ جیسے سورۃ التحریم میں فرمایا گیا: ﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَہُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾﴾ ’’وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم وہ انہیں دیتا ہے اور وہی کرتے ہیں جو حکم انہیں دیا جاتا ہے۔‘‘

آیات ۵۱ تا ۶۰

وَقَالَ اللّٰہُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـہَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِیَّایَ فَارْہَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَہُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ

تَتَّقُوْنَ ۝۵۲ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ
تَجْـَٔرُوْنَ ۝۵۳ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۵۴
لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۵۵ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا
يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۶
وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۵۷ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ
بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝۵۸ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ
مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا
يَحْكُمُوْنَ ۝۵۹ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ
الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶۰

آیت ۵۱ ﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۵۱﴾ ’’اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو معبود مت بناؤ‘ یقیناً وہ تو ایک ہی معبود ہے‘ پس تم مجھ ہی سے ڈرو۔‘‘

آیت ۵۲ ﴿وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝۵۲﴾ ’’اور اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اُسی کے لیے اطاعت ہے ہمیشہ ہمیش‘ تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کا تقویٰ اختیار کرتے ہو؟‘‘

آیت ۵۳ ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝۵۳﴾ ’’اور جو نعمت بھی تمہیں میسر ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے‘ پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے سامنے تم فریاد کرتے ہو۔‘‘

تکلیف کی کیفیت میں تم اللہ کو ہی یاد کرتے ہو‘ اسی کی جناب میں گڑگڑاتے‘ آہ وزاری کرتے اور دعائیں مانگتے ہو۔ اس حالت میں تمہیں کوئی دوسرا معبود یاد نہیں آتا۔

آیت ۵۴ ﴿ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۵۴﴾ ’’پھر جب وہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے تو جبھی تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنا شروع کر دیتا ہے۔‘‘

آیت ۵۵ ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۵۵﴾ ’’تاکہ ناشکری کریں ان (نعمتوں) کی جو ہم نے ان کو دی ہیں۔ تو چند روزہ مزے اڑا لو‘ پس عنقریب تم جان لو گے۔‘‘

کچھ دنوں کی بات ہے دنیا میں تم لوگ مزے اڑا لو۔ بہت جلد اصل حقیقت کھل کر تمہارے سامنے آجائے گی۔

آیت ۵۶ ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ﴾ ’’اور وہ بنا دیتے ہیں ان کے لیے جن کے بارے میں انہیں کوئی علم ہی نہیں‘ ایک حصہ اس میں سے جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہی کے عطا کردہ رزق میں سے وہ لوگ اللہ کے ان شریکوں کے لیے بھی حصے نکالتے تھے جن کے بارے میں کوئی علمی سند یا واضح دلیل بھی ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۱۳۶ میں بھی آچکا ہے کہ وہ لوگ اپنی کھیتیوں کی پیداوار اور جانوروں میں سے جہاں اللہ کے لیے حصہ نکالتے تھے وہاں اپنے جھوٹے معبودوں کے حصے کے لیے بھی خاص اہتمام کرتے تھے۔

﴿تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۶﴾ ’’اللہ کی قسم! ضرور سوال کیا جائے گا تم سے اس بارے میں جو افترا تم لوگ کرتے تھے۔‘‘

آیت ۵۷ ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۵۷﴾ ’’اور وہ بناتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں‘ وہ پاک ہے (اس سے)‘ اور خود اُن کے لیے وہ کچھ جو انہیں پسند ہے!‘‘

اللہ تعالیٰ کی اولاد کے طور پر وہ لوگ اس سے بیٹیاں منسوب کرتے ہیں جبکہ خود اپنے لیے وہ بیٹے پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے لیے اولاد تجویز بھی کی تو بیٹیاں تجویز کیں‘ جو خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

آیت ۵۸ ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝۵۸﴾ ’’اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ (اندر ہی اندر) رنج و غم سے گھٹتا رہتا ہے۔‘‘

آیت ۵۹ ﴿یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ط﴾ ''وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس بُری خبر کی وجہ سے جو اُسے دی گئی۔''

جب اسے خوشخبری دی جاتی ہے کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن گیا ہے تو اسے ایک منحوس خبر خیال کرتا ہے اور یوں محسوس کرتا ہے کہ اب وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور ہر وقت اسی شش و پنج میں رہتا ہے کہ:

﴿اَیُمْسِكُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ط﴾ ''کیا وہ اسے ذِلّت کے باوجود روکے رکھے یا مٹی میں دفن کر دے؟''

﴿اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ ''آگاہ رہو' بہت ہی برا ہے جو فیصلہ وہ کرتے ہیں۔''

آیت ۶۰ ﴿لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ج﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بری مثال ہے۔''

﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۶۰﴾﴾ ''اور اللہ کی صفت نہایت بلند ہے۔ اور وہ زبردست ہے کمال حکمت والا۔''

عقیدۂ آخرت کے حوالے سے یہ حقیقت لائق توجہ ہے کہ یہ عقیدہ دُنیوی زندگی میں انسانی اعمال پر تمام عوامل سے بڑھ کر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں آخرت اور ایمان بالآخرت کے بارے میں بہت تکرار پائی جاتی ہے۔

آیات ۶۱ تا ۶۵

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ
یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ج فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً
وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ
الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰی ط لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾
تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
فَهُوَ وَلِیُّهُمُ الْیَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا
لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لا وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾

آیت ۶۱ ﴿وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ج﴾ ''اور اگر اللہ (فوراً) پکڑ کرتا لوگوں کی ان کے گناہوں کے سبب تو نہ چھوڑتا اس (زمین) پر کوئی بھی جاندار' لیکن وہ مہلت دیتا ہے انہیں ایک وقتِ معیّن تک۔''

یہ اللہ کی خاص رحمت ہے کہ وہ لوگوں کے ظلم و معصیت کی پاداش میں فوری طور پر ان کی گرفت نہیں کرتا' بلکہ ڈھیل دے کر انہیں اصلاح کا پورا پورا موقع دیتا ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾﴾ ''پھر جب ان کا وقت معین آ جائے گا تو نہ وہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔''

آیت ۶۲ ﴿وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ﴾ ''اور وہ ٹھہراتے ہیں اللہ کے لیے جو وہ خود پسند نہیں کرتے''

یعنی ان میں سے کوئی بھی خود بیٹی کا باپ بننا پسند نہیں کرتا' مگر اللہ کے ساتھ بیٹیاں منسوب کرتے ہوئے یہ لوگ ایسا کچھ نہیں سوچتے۔

﴿وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰی ط﴾ ''اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کر رہی ہیں کہ ان کے لیے یقیناً بھلائی ہے۔''

یہ لوگ اس زعم میں ہیں کہ دنیا میں انہیں عزت' دولت اور سرداری ملی ہوئی ہے' تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ ان سے خوش ہے اور انہیں یہ خوش فہمی بھی ہے کہ اگر اس نے یہاں انہیں یہ سب کچھ دیا ہے تو آخرت میں بھی وہ ضرور انہیں اپنی نعمتوں سے نوازے گا۔ چنانچہ دنیا ہو یا آخرت ان کے لیے تو بھلائی ہی بھلائی ہے۔

﴿لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے لیے آگ ہے اور یہ کہ وہ بڑھائے جا رہے ہیں۔''

دنیا میں ان کی رسی دراز کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی میں جس حد تک جری

ہو کر آگے بڑھ سکتے ہیں بڑھتے چلے جائیں۔

آیت ۶۳ ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''اللہ کی قسم! ہم نے بھیجا (اپنے رسولوںؑ کو) بہت سی اُمتوں کی طرف آپؐ سے پہلے‘ لیکن شیطان نے ان کے لیے اُن کے اعمال کو مزین کیے رکھا''

شیطان کے بہکاوے کے سبب وہ لوگ اس خوش فہمی میں رہے کہ ان کا کلچر‘ ان کی تہذیب اور ان کی روایات سب سے اعلیٰ ہیں۔

﴿فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۳﴾ ''تو آج وہی ان کا ساتھی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۶۴ ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ﴾ ''اور نہیں اُتاری (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ پر یہ کتاب مگر اس لیے کہ آپ واضح کر دیں ان کے لیے وہ سب کچھ جس میں انہوں نے اختلاف کیا''

﴿وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۶۴﴾ ''اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لانے والے ہیں۔''

اس آیت کو پڑھتے ہوئے سورۂ یونس کی یہ دو آیات بھی ذہن میں رکھیے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸﴾

''اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے جو روگ ہیں ان) کی شفا اور ہدایت اور اہل ایمان کے حق میں (بہت بڑی) رحمت۔ (اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے‘ تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں‘ وہ بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

آیت ۶۵ ﴿وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ﴾ ''اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا‘ پھر اس سے زندہ کر دیا زمین کو اُس کے مُردہ ہو جانے

کے بعد۔''

﴿اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۶۵﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو سنتے ہوں۔''

یہ نشانی ان لوگوں کے لیے ہے جن کا سننا حیوانوں کا سا سننا نہ ہو‘ بلکہ انسانوں کا سا سننا ہو۔ علامہ اقبال نے ''زبورِ عجم'' میں کیا خوب کہا ہے:

دم چیست؟ پیام است‘ شنیدی‘ نشنیدی! درخاکِ تو یک جلوۂ عام است ندیدی؟
دیدن دگر آموز! شنیدن دگر آموز!

یعنی سانس جو تم لیتے ہو یہ بھی اللہ کا ایک پیغام ہے‘ یہ الگ بات ہے کہ تم اس پیغام کو سنتے ہو یا نہیں سنتے ہو۔ یہ درست ہے کہ تم خاک سے بنے ہو‘ مگر تمہارے اسی خاکی وجود کے اندر ایک نور اور جلوۂ ربانی بھی موجود ہے۔ یہ روحِ ربانی جو تمہارے وجود میں پھونکی گئی ہے یہ جلوہ ربانی ہی تو ہے‘ جسے تم دیکھتے ہی نہیں ہو۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ تمہارے اندر کیا کیا کچھ موجود ہے: ﴿وَفِىْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝۲۱﴾ (الذاریات) ''اور تمہارے اندر (کیا کچھ ہے)‘ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟'' ذرا دوسری طرح کا دیکھنا اور دوسری طرح کا سننا سیکھو! ایسا دیکھنا سیکھو جو چیزوں کی اصلیت کو دیکھ سکے اور ایسا سننے کی صلاحیت حاصل کرو جس سے تمہیں حقیقت کی پہچان نصیب ہو۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ دیکھنا اور یہ سننا محض حیوانوں کا سا دیکھنا اور سننا ہے۔

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

اس سورۃ میں تکرار کے ساتھ اہلِ فکر و دانش کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر‘ سن کر اور سمجھ کر سبق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ (آیتِ زیرِ نظر کے علاوہ ملاحظہ ہوں آیات ۱۱‘ ۱۲‘ ۶۷‘ ۶۹ اور ۷۹)

آیات ۶۶ تا ۷۰

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۶۷

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا
یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ
مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً
لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ ۙ۫ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ
الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾

آیت ۶۶ ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ﴾ ’’اور یقیناً تمہارے لیے چوپایوں میں بھی عبرت ہے۔‘‘

چوپایوں کی تخلیق میں بھی تمہارے لیے بڑا سبق ہے۔ ان کو دیکھو‘ غور کرو اور اللہ کی حکمتوں کو پہچانو!

﴿نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۶۶﴾﴾ ’’ہم پلاتے ہیں تمہیں اُس میں سے جو اُن کے پیٹوں میں ہوتا ہے‘ گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ‘ پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار۔‘‘

آیت ۶۷ ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ﴾ ’’اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی‘ اُن سے تم نشہ آور چیزیں بھی بناتے ہو اور اچھا رزق بھی۔‘‘

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾﴾ ’’یقیناً اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔‘‘

آیت ۶۸ ﴿وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾﴾ ’’اور آپ کے رب نے وحی کی شہد کی مکھی کی طرف‘ کہ گھر بنا پہاڑوں میں‘ درختوں میں اور لوگ (انگوروں کی بیلوں کے لیے) جو چھتریاں بناتے ہیں ان میں۔‘‘

یعنی شہد کی مکھی کی فطرت میں یہ چیز ودیعت کر دی گئی ہے۔

آیت ۶۹ ﴿ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ﴾ ’’پھر ہر طرح کے میووں میں سے کھا اور اپنے ربّ کے ہموار کیے ہوئے راستوں پر چلتی رہ۔‘‘

﴿یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ﴾ ’’نکلتی ہے ان کے پیٹوں سے پینے کی ایک شے (شہد)‘ جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں‘ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔‘‘

شہد کی مکھی جن جن جڑی بوٹیوں اور پودوں کے پھولوں کا رس چوستی ہے اُن کے خواص اور اُن کی تاثیرات کو گویا وہ کشید کرتی ہے۔ اس طرح شہد میں مختلف ادویات کے اثرات بھی شامل ہو جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت سی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ’’یقیناً اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۷۰ ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ ۙ۫ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾ ’’اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا‘ پھر وہی تمہیں وفات دے گا‘ اور تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ناکارہ عمر کو لوٹا دیے جاتے ہیں‘‘

ایسی عمر جس میں آدمی ناکارہ ہو کر دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے۔

﴿لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾﴾ ’’کہ نہ جانے علم رکھنے کے بعد کچھ بھی۔ یقیناً اللہ جاننے والا‘ قدرت والا ہے۔‘‘

بڑھاپے میں اکثر لوگوں کی قوتِ فکر متاثر ہو جاتی ہے اور زیادہ عمر رسیدہ لوگوں کو تو dementia ہو جاتا ہے جس سے ذہنی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور یادداشت جواب دے جاتی ہے۔ اس کیفیت میں بڑے بڑے فلسفی اور دانشور بچوں جیسی باتیں کرنے لگتے ہیں۔

آیات ۷۱ تا ۷۶

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ
رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً وَّرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰہِ ھُمْ یَکْفُرُوْنَ ۝۷۲ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَھُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْئًا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝۷۳ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷۴ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰہُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَھُوَ یُنْفِقُ مِنْہُ سِرًّا وَّجَھْرًا ؕ ھَلْ یَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ؕ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُھُمَآ اَبْکَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّھُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوْلٰہُ ۙ اَیْنَمَا یُوَجِّھْہُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ؕ ھَلْ یَسْتَوِیْ ھُوَ ۙ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَھُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۷۶

آیت ۷۱ ﴿وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ﴾ ''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔''

رزق سے مراد صرف مادی اسباب و وسائل ہی نہیں بلکہ اس میں انسان کی جسمانی و ذہنی صلاحیتیں بھی شامل ہیں۔ مادی وسائل کی کمی بیشی کے بارے میں تو کوئی سوشلسٹ یا کمیونسٹ اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ غلط تقسیم اور غلط نظام کا نتیجہ ہے' جس کا ذمہ دار خود انسان ہے' مگر یہ امر اپنی جگہ اٹل حقیقت ہے کہ ہر انسان کی ذہنی استعداد اور جسمانی طاقت ایک سی نہیں ہوتی۔ جینز (genes) کے ذریعے وراثت میں ملنے والی تمام صلاحیتیں بھی سب انسانوں میں برابر نہیں ہوتیں' پھر اس میں کسی کے اختیار و انتخاب کو بھی کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مادی اسباب و وسائل کے علاوہ ذاتی صلاحیتوں میں بھی مختلف انسانوں کو مختلف اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

﴿فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِھِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَھُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ ؕ﴾ ''تو نہیں ہیں وہ لوگ جنہیں (رزق میں) فضیلت دی گئی ہے لوٹانے والے اپنا رزق اپنے غلاموں کو کہ وہ ہو جائیں اس میں برابر۔''

یعنی ایسا تو نہیں ہوتا کہ اُمراء اپنی دولت اور جائیدادیں اپنے غلاموں میں تقسیم کر دیں اور انہیں بھی اپنے ساتھ ان جائیدادوں کا مالک بنا لیں۔ تو اگر تم لوگ اپنے غلاموں کو اپنے

ساتھ اپنی ملکیت میں شریک نہیں کرتے تو کیا اللہ تمہارے جھوٹے معبودوں کو اپنے برابر کر لے گا؟ اور یہ جو ان لوگوں کا خیال ہے کہ ایک بڑا خدا ہے اور کچھ چھوٹے چھوٹے خدا ہیں اور یہ چھوٹے خدا بڑے خدا سے ان کی سفارش کریں گے تو کیا اللہ پر ان میں سے کسی کی دھونس چل سکے گی یا اللہ ان میں سے کسی کو یہ اختیار دے گا کہ وہ اس سے اپنی کوئی بات منوا لے؟

﴿اَفَبِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ ۝۷۱﴾ ''تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کر رہے ہیں؟''

آیت ۷۲ ﴿وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا﴾ ''اور اللہ نے تمہارے لیے تمہاری ہی نوع سے بیویاں بنائیں''

عربی میں ''زوج'' شریک حیات (spouse) کو کہتے ہیں اور یہ لفظ بیوی اور خاوند دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عورت کے لیے مرد زوج ہے اور مرد کے لیے عورت۔

﴿وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً وَّرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ﴾ ''اور بنائے تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے' اور رزق دیا تمہیں پاکیزہ چیزوں سے۔''

﴿اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰہِ ھُمْ یَکْفُرُوْنَ ۝۷۲﴾ ''تو کیا یہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہ انکار کرتے ہیں؟''

یعنی کفرانِ نعمت کرتے ہیں۔ یہاں یہ اہم بات لائق توجہ ہے کہ اس سورۃ میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر بہت تکرار کے ساتھ آ رہا ہے۔

آیت ۷۳ ﴿وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَھُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْئًا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝۷۳﴾ ''اور یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اُن کی جنہیں کچھ اختیار نہیں اُن کے لیے کسی رزق کا' نہ آسمانوں سے اور نہ زمین سے' اور نہ وہ اس کی قدرت ہی رکھتے ہیں۔''

مشرکینِ عرب ایامِ جاہلیت میں جو تلبیہ پڑھتے تھے اس میں توحید کے اقرار کے ساتھ ساتھ شرک کا اثبات بھی موجود تھا۔ ان کا تلبیہ یہ تھا: لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ' لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ' اِلَّا شَرِیْکًا تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ یعنی میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں' تیرا کوئی شریک نہیں ہے' میں حاضر ہوں۔ سوائے اُس شریک کے کہ اُس کا اور جو کچھ اس

کا اختیار ہے سب کا مالک تو ہی ہے۔ یعنی بالآخر اختیار تیرا ہی ہے اور تیرا کوئی شریک تجھ سے آزاد ہو کر خود مختار (autonomous) نہیں ہے۔ چنانچہ جس طرح عیسائیوں نے توحید کو تثلیث میں بدلا اور پھر تثلیث کو توحید میں لے آئے (One in three and three in One) اسی طرح مشرکین عرب بھی توحید میں شرک پیدا کرتے اور پھر شرک کو توحید میں لوٹا دیتے تھے۔

آیت ۷۴ ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ﴾ ''تو اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کیا کرو۔''

قبل ازیں اسی سورت (آیت ۶۰) میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ؕ﴾ ''اور اللہ کی مثال سب سے بلند ہے''۔ لیکن اس کا ترجمہ بالعموم یوں کیا جاتا ہے: ''اللہ کی صفت بہت بلند ہے''۔ یا ''اللہ کی شان بہت بلند ہے''۔ اس لیے کہ اللہ کے لیے کوئی مثال بیان نہیں کی جاسکتی۔ انسانی سطح پر بات سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کچھ نہ کچھ تمثیلی الفاظ تو استعمال کرنے پڑتے ہیں، مثلاً اللہ کا چہرہ، اللہ کا ہاتھ، اللہ کا تخت، اللہ کی کرسی، اللہ کا عرش وغیرہ، لیکن ایسے الفاظ سے ہم نہ تو حقیقت کا اظہار کر سکتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی صفات اور اس کے افعال کی حقیقت کو جان سکتے ہیں۔ اسی لیے منع کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کیا کرو۔ اس کی منطقی وجہ یہ ہے کہ ہم اگر اس ہستی کے لیے کوئی مثال لائیں گے تو عالم خلق سے لائیں گے، جس کی ہر چیز محدود ہے۔ یا پھر ایسی کوئی مثال ہم اپنے ذہن سے لائیں گے، جبکہ انسانی سوچ، قوتِ متخیلہ اور تصورات بھی سب محدود ہیں۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی ذات مطلق (Absolute) ہے اور اس کی صفات بھی مطلق ہیں۔ چنانچہ انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ ایسی مطلق ہستی کے لیے کوئی مثال بیان کر سکے۔ اسی لیے سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۱ میں دوٹوک انداز میں فرما دیا گیا: ﴿لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ﴾ کہ اس کی مثال کی سی بھی کوئی شے موجود نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾﴾ ''بے شک اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔''

آیت ۷۵ ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ﴾ ''اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک غلام مملوک کی، جو اختیار نہیں رکھتا کسی چیز پر بھی''

اللہ تعالیٰ ان کے شرک کی نفی کے لیے یہ مثال بیان کر رہا ہے کہ ایک بندہ وہ ہے جو کسی کا غلام اور مملوک ہے، اس کا کچھ اختیار نہیں، وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

﴿وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ﴾ ''اور (ایک وہ ہے) جس کو ہم نے اپنے پاس سے بہت اچھا رزق دیا ہے، اور وہ اس میں سے خرچ کرتا

ہے چھپ کر بھی اور علانیہ بھی۔''

رزق میں مال، علم اور صلاحیتیں سب شامل ہیں۔ یعنی وہ شخص مال بھی خرچ کر رہا ہے، لوگوں کو تعلیم بھی دے رہا ہے، اور کئی دوسرے طریقوں سے بھی لوگوں کو مستفید کر رہا ہے۔

﴿هَلْ یَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾﴾ ''کیا یہ (دونوں) برابر ہیں؟ کُل تعریف اور شکر اللہ کے لیے ہے، لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔''

ایک طرف اللہ کا وہ بندہ ہے جو اُس کے دین کی خدمت میں مصروف ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض سرانجام دے رہا ہے، لوگوں میں دین کی تعلیم کو عام کر رہا ہے، یا اگر صاحب ثروت ہے تو اپنا مال اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے خرچ کر رہا ہے اور محتاجوں کی مدد کر رہا ہے۔ جب کہ دوسری طرف ایک ایسا شخص ہے جس کے پاس کچھ اختیار و قدرت نہیں ہے، وہ اپنی مرضی سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ تو یہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

آیت ۷۶ ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰی مَوْلٰىهُ ۙ﴾ ''اور اللہ نے (اب ایک اور) مثال بیان کی دو اشخاص کی، ان میں سے ایک گونگا ہے، وہ قدرت نہیں رکھتا کسی بھی چیز پر اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے''

﴿اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ؕ﴾ ''جہاں کہیں بھی وہ (آقا) اسے بھیجتا ہے، وہ کوئی خیر لے کر نہیں آتا۔''

ایک شخص کے دو غلام ہیں۔ ایک غلام گونگا ہے، کسی کام کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتا، الٹا اپنے مالک پر بوجھ بنا ہوا ہے۔ کام وغیرہ کچھ نہیں کرتا، صرف روٹیاں توڑتا ہے۔ اگر اس کا آقا اسے کسی کام سے بھیج دے تو وہ کام خراب کر کے ہی آتا ہے۔

﴿هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۷۶﴾﴾ ''کیا برابر ہو گا وہ، اور وہ جو حکم دیتا ہے عدل کا، اور وہ سیدھی راہ پر قائم ہے؟''

اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک شخص کے دو غلاموں کے حوالے سے دو طرح کے انسانوں کی مثال بیان فرمائی ہے کہ سب انسان میرے غلام ہیں۔ لیکن میرے ان غلاموں کی ایک قسم وہ ہے جو میری نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں مگر میرا کوئی کام نہیں کرتے، میرے دین کی کچھ خدمت نہیں کرتے، میری مخلوق کے کسی کام نہیں آتے۔ یہ لوگ اس غلام کی مانند ہیں جو اپنے آقا پر بوجھ ہیں

دوسری طرف میرے وہ بندے اور غلام ہیں جو دن رات میری رضا جوئی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں‘ نیکی کا حکم دے رہے ہیں اور برائی سے روک رہے ہیں‘ میرے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد میں وہ اپنے تن‘ من اور دھن کی قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ تو کیا یہ دونوں طرح کے انسان برابر ہو سکتے ہیں؟

آیات ۷۷ تا ۸۳

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ
اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ
اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا
یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ
مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ
ظَعْنِكُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا
وَّمَتَاعًا اِلٰى حِیْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ
الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ
بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا
عَلَیْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۲﴾ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ
الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

آیت ۷۷ ﴿وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ’’اور آسمانوں اور زمین کی ساری چھپی باتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔‘‘

﴿وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۷۷﴾﴾ ’’اور قیامت کا معاملہ تو ایسے ہے جیسے نگاہ کا لپکنا‘ یا (ممکن ہے) وہ اس سے بھی قریب تر ہو۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

آیت ۷۸ ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ﴾ ’’اور اللہ نے تمہیں نکالا تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے جبکہ تم کچھ نہیں جانتے تھے‘‘

نوزائیدہ بچہ عقل و شعور اور سمجھ بوجھ سے بالکل عاری ہوتا ہے‘ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کا بچہ تمام حیوانات کے بچوں سے زیادہ کمزور اور زیادہ محتاج (dependent) ہوتا ہے۔

﴿وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ﴾ ’’اور تمہارے لیے سماعت‘ بصارت اور عقل بنائی۔‘‘

اَفْـِٕدَة کا ترجمہ عام طور پر ’’دل‘‘ کیا جاتا ہے‘ مگر میرے نزدیک اس سے مراد عقل اور شعور ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾﴾ کے ضمن میں ہوگی۔ آیت زیر نظر میں کانوں اور آنکھوں کا ذکر انسانی حواس (senses) کے طور پر ہوا ہے اور ان حواس کا تعلق عقل (اَفْـِٕدَة) کے ساتھ وہی ہے جو کمپیوٹر کے input devices کا اس کے پراسیسنگ یونٹ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح کمپیوٹر کا پراسیسنگ یونٹ مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات (data) کو پراسس کر کے اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اسی طرح حواسِ خمسہ سے حاصل ہونے والی معلومات سے انسانی دماغ سوچ بچار کر کے کوئی نتیجہ نکالتا ہے۔ انسان کی اسی صلاحیت کو ہم عقل کہتے ہیں اور میرے نزدیک اَفْـِٕدَة سے مراد انسان کی یہی عقل ہے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾﴾ ’’تاکہ تم شکر کرو۔‘‘

یہ تمام صلاحیتیں انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور اللہ نے یہ نعمتیں انسان کو اس لیے عطا کی ہیں کہ وہ ان پر اللہ کا شکر ادا کرے‘ اور اس سلسلے میں اللہ کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان نعمتوں کا استعمال درست طور پر کرے اور ان سے کوئی ایسا کام نہ لے جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔

آیت ۷۹ ﴿اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ﴾ ’’کیا یہ دیکھتے نہیں پرندوں کو کہ وہ آسمان کی فضا میں مسخر ہیں‘ انہیں نہیں تھاما ہوا کسی نے سوائے اللہ کے۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے قانون کے مطابق یہ پرندے فضا میں تیر رہے ہیں۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾﴾ ’’یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں

کے لیے جو ایمان رکھتے ہوں۔‘‘

آیت ۸۰ ﴿وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ سَکَنًا﴾ ’’اور اللہ نے تمہارے گھروں میں تمہارے لیے سکونت کی جگہ بنائی ہے‘‘

﴿وَّجَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ بُیُوۡتًا تَسۡتَخِفُّوۡنَہَا یَوۡمَ ظَعۡنِکُمۡ وَیَوۡمَ اِقَامَتِکُمۡ ۙ﴾ ’’اور اُس نے بنا دیے تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے ایسے گھر (خیمے) جنہیں تم بہت ہلکا پھلکا پاتے ہو اپنے کوچ اور قیام کے دن‘‘

جانوروں کی کھالوں سے بنائے گئے خیمے بہت ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ چنانچہ دورانِ سفر بھی انہیں اٹھانا آسان ہوتا ہے اور اسی طرح جب اور جہاں چاہیں انہیں آسانی سے گاڑ کر آرام دہ قیام گاہ بنائی جا سکتی ہے۔

﴿وَمِنۡ اَصۡوَافِہَا وَاَوۡبَارِہَا وَاَشۡعَارِہَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۸۰﴾﴾ ’’اور (اُس نے بنایا تمہارے لیے) اُن (بھیڑوں) کی اُون سے اور ان (اونٹوں اور بکریوں) کے بالوں سے سامان اور برتنے کی چیزیں ایک خاص وقت تک کے لیے۔‘‘

قبل ازیں آیت ۵ میں جانوروں کے بالوں کی افادیت کے حوالے سے ’’دِفۡءٌ‘‘ کا لفظ استعمال ہوا تھا، جس میں سردی کی شدت سے بچنے کے لیے کپڑا تیار کرنے کی طرف اشارہ تھا۔ یہاں اس سلسلے میں وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ مختلف جانوروں کی اون اور ان کے بالوں کی صورت میں اللہ نے تمہارے لیے قدرتی ریشہ (fiber) پیدا کر دیا ہے جس سے تم لوگ کپڑے بُنتے ہو اور دوسری بہت سی مفید اشیاء بناتے ہو۔ ایک مدت تک انسان کے پاس کپڑا بنانے کے لیے جانوروں سے حاصل ہونے والے اس ریشے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ کپاس کی دریافت بہت بعد میں ہوئی۔ موجودہ زمانے میں اس مقصد کے لیے اگرچہ مصنوعی ریشے کی رنگا رنگ اقسام موجود ہیں مگر اس قدرتی ریشے کی اہمیت و افادیت سے آج بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آیت ۸۱ ﴿وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا﴾ ’’اور اللہ ہی نے بنایا تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں سے سایہ‘‘

اللہ نے درختوں اور بہت سی دوسری چیزوں سے سائے کا نظام وضع فرمایا ہے جو انسانی

زندگی کے لیے بہت مفید ہے۔

﴿وَّجَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡجِبَالِ اَکۡنَانًا﴾ ’’اور اُسی نے بنائیں تمہارے لیے پہاڑوں کے اندر پناہ گاہیں‘‘

پہاڑوں کے اندر قدرتی غاریں پائی جاتی ہیں جن میں لوگ طوفانی ہواؤں وغیرہ کی شدت سے بچنے کے لیے پناہ لے سکتے ہیں۔ پرانے زمانے میں تو اس حوالے سے ان غاروں کی بہت اہمیت تھی۔

﴿وَّجَعَلَ لَکُمۡ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمُ الۡحَرَّ وَسَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمۡ بَاۡسَکُمۡ ؕ﴾ ’’اور بنائے تمہارے لیے ایسے لباس جو تمہیں بچاتے ہیں گرمی سے اور ایسے لباس (زرہیں) جو تمہیں بچاتے ہیں تمہاری لڑائی میں‘‘

﴿کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾﴾ ’’اسی طرح وہ اتمام فرماتا ہے اپنی نعمت کا تم پر تاکہ تم اطاعت کی روش اختیار کرو۔‘‘

جیسا کہ قبل ازیں بھی اشارہ کیا گیا ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر کی تکرار بہت زیادہ ہے۔ (مزید ملاحظہ ہوں آیات ۱۸، ۳۵، ۷۱، ۷۲، ۸۳ اور ۱۱۴)۔

آیت ۸۲ ﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۸۲﴾﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ!) اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو آپ پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔‘‘

آیت ۸۳ ﴿یَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنۡکِرُوۡنَہَا وَاَکۡثَرُہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸۳﴾﴾ ’’یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر منکر ہو جاتے ہیں اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں۔‘‘

آیات ۸۴ تا ۸۹

وَیَوۡمَ نَبۡعَثُ مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیۡدًا ثُمَّ لَا یُؤۡذَنُ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَلَا ہُمۡ
یُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الۡعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمۡ وَلَا ہُمۡ
یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا شُرَکَآءَہُمۡ قَالُوۡا رَبَّنَا ہٰۤؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا
الَّذِیۡنَ کُنَّا نَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِکَ ۚ فَاَلۡقَوۡا اِلَیۡہِمُ الۡقَوۡلَ اِنَّکُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۸۶﴾ۚ
وَاَلۡقَوۡا اِلَی اللّٰہِ یَوۡمَئِذِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۸۷﴾

﴿اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ زِدْنٰھُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَھِیْدًا عَلَیْھِمْ مِّنْ اَنْفُسِھِمْ وَجِئْنَا بِکَ شَھِیْدًا عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۸۹﴾

آیت ۸۴ ﴿وَیَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَھِیْدًا﴾ ’’اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ‘‘

شہادتِ حق کا یہ مضمون اس سورت میں دو مرتبہ (مزید ملاحظہ ہو آیت ۸۹) آیا ہے‘ جبکہ قبل ازیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ اور سورۃ النساء کی آیت ۴۱ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ آیت زیرنظر میں ہر امت میں سے جس گواہ کا ذکر ہے وہ اس امت کا نبی یا رسول ہو گا۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا: ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۶﴾﴾ ’’ہم ضرور پوچھیں گے ان سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم رسولوںؑ سے بھی پوچھیں گے‘‘۔ روزِ محشر ہر اُمت کی پیشی کے وقت اس امت کا رسولؑ عدالت کے سرکاری گواہ (prosecution witness) کی حیثیت سے گواہی دے گا کہ اے اللہ! تیری طرف سے جو پیغام مجھے اس قوم کے لیے ملا تھا وہ میں نے بے کم وکاست ان تک پہنچا دیا تھا۔ اب یہ لوگ جوابدہ ہیں‘ ان سے محاسبہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح تمام انبیاء ورسل علیہم السلام اپنی اپنی اُمت کے خلاف گواہی دیں گے۔

﴿ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَلَا ھُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾﴾ ’’پھر کافروں کو نہ (بولنے کی) اجازت ملے گی اور نہ ہی ان کو عذر پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا۔‘‘

اُس وقت انہیں ایسا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا کہ وہ عذر تراش کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر سکیں۔

آیت ۸۵ ﴿وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْھُمْ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾﴾ ’’اور جب یہ ظالم دیکھ لیں گے عذاب کو تو پھر اسے ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔‘‘

آیت ۸۶ ﴿وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا شُرَکَآءَھُمْ قَالُوْا رَبَّنَا ھٰٓؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا الَّذِیْنَ

کُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِکَ ۚ﴾ ’’اور جب مشرک لوگ دیکھیں گے اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہی ہیں ہمارے وہ شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے۔‘‘

﴿فَاَلْقَوْا اِلَیْھِمُ الْقَوْلَ اِنَّکُمْ لَکٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾﴾ ’’تو وہ پھینک دیں گے یہ بات انہی کی طرف کہ تم لوگ یقیناً جھوٹ بول رہے ہو۔‘‘

شرک کا ارتکاب کرنے والے یہ لوگ محشر میں جب اُن مقدس ہستیوں کو دیکھیں گے جن کے نام کی وہ دنیا میں دہائی دیا کرتے تھے تو پکار اٹھیں گے کہ اے اللہ! یہ ہیں وہ ہستیاں جنہیں ہم پکارا کرتے تھے آپ کو چھوڑ کر۔ مثلاً حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام کی دہائی دینے والے جب وہاں آپؒ کو بلند مراتب پر فائز دیکھیں گے تو آپؒ کو پہچان کر ایسے کہیں گے۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ کا شریک ٹھہرانے والے جب آپؑ کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے کہ یہ ہیں عیسٰی ابن مریم جنہیں ہم اللہ کا چہیتا بیٹا سمجھتے تھے اور ہمارا عقیدہ تھا کہ وہ سولی پر چڑھ کر ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر چکے ہیں۔

یہ تمام مقدس ہستیاں وہاں مشرکین کے مشرکانہ عقائد سے اظہارِ براءت کریں گی کہ ہمارا تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ تم لوگ دنیا میں ہماری عبادت کیا کرتے تھے اور اللہ کے سوا ہمیں پکارا کرتے تھے۔ قبل ازیں یہ مضمون سورۂ یونس کی آیت ۲۸ اور ۲۹ میں بھی گزر چکا ہے۔

آیت ۸۷ ﴿وَاَلْقَوْا اِلَی اللّٰہِ یَوْمَئِذِ نِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾﴾ ’’اور وہ (سب کے سب) اُس روز اللہ کے حضور عاجزی پیش کریں گے اور گم ہو جائیں گے اُن سے (وہ عقائد) جو وہ گھڑا کرتے تھے۔‘‘

ایسی مقدس ہستیوں کے بارے میں جو عقائد اور نظریات انہوں نے گھڑ رکھے تھے کہ وہ انہیں عذاب سے بچا لیں گے اور اللہ کی پکڑ سے چھڑا لیں گے‘ ایسے تمام خودساختہ عقائد میں سے اس دن انہیں کچھ بھی یاد نہیں رہے گا اور عذاب کو دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔

آیت ۸۸ ﴿اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ زِدْنٰھُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾﴾ ’’وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکتے رہے (دوسروں کو) اللہ کے

راستے سے، ہم ان کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کرتے جائیں گے، بسبب اس فساد کے جو وہ کرتے تھے۔''

اُن لوگوں کا عذاب بتدریج بڑھتا ہی چلا جائے گا جنہوں نے نہ صرف حق کو جھٹلایا بلکہ اس کے خلاف سازشیں کیں اور لوگوں کو ورغلا کر اللہ کے رستے سے روکتے رہے۔

آیت ۸۹ ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''اور (ذرا تصور کرو اُس دن کا) جس دن ہم ہر اُمت میں کھڑا کریں گے ایک گواہ ان پر ان ہی میں سے''

یہ وہی الفاظ ہیں جو ہم آیت ۸۴ میں پڑھ آئے ہیں۔ قیامت کے دن تمام رسولؑ اپنی اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ سورۃ الاحزاب میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس حوالے سے فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾﴾ ''اے نبیؐ! یقیناً ہم نے آپؐ کو بھیجا ہے گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر، اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور ایک روشن چراغ''۔ اسی طرح سورۃ المزمل میں حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾﴾ ''یقیناً ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک رسول، گواہی دینے والا تم پر جیسے ہم نے بھیجا تھا فرعون کی طرف ایک رسول۔''

﴿وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ﴾ ''اور آپؐ کو کھڑا کریں گے گواہ (بنا کر) ان کے خلاف۔''

قبل ازیں ہم سورۃ النساء میں بھی اس سے ملتی جلتی یہ آیت پڑھ چکے ہیں: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾﴾ ''پھر کیا حال ہوگا جب ہم لائیں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ اور آپؐ کو لائیں گے ان پر گواہ''۔ یہاں هٰٓؤُلَاۗءِ کے لفظ میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے جن تک حضور ﷺ نے براہِ راست اللہ کی دعوت پہنچا دی تھی۔ لہٰذا قیامت کے دن آپؐ ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ اے اللہ میں نے آپ کا پیغام بے کم و کاست ان تک پہنچا دیا تھا اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ میں نے اس ضمن میں برس ہا برس تک ان کے درمیان ہر طرح کی مشقت اٹھائی۔ انہیں تنہائی میں فرداً فرداً بھی ملا اور علی الاعلان اجتماعی طور پر بھی اُن سے مخاطب ہوا۔ میں نے اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت

نہیں کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا یہ پیغام اہل عرب تک براہِ راست پہنچا دیا اور باقی دنیا تک قیامت تک کے لیے یہ پیغام پہنچانے کی ذمہ داری آپ ﷺ نے امت کو منتقل فرما دی۔ اب اگر اُمت اس فرض میں کوتاہی کرے گی تو لوگوں کی گمراہی کا وبال افرادِ امت پر آئے گا۔ چنانچہ یہ بہت بھاری اور نازک ذمہ داری ہے جو اُمت مسلمہ کے افراد ہونے کے سبب ہمارے کندھوں پر آ پڑی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں اُمتِ مسلمہ کی اس ذمہ داری کا ذکر تحویل قبلہ کے ذکر کے فوراً بعد اس طرح فرمایا گیا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ ''اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اُمت وسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے''۔ اس بھاری ذمہ داری کی ادائیگی کے دوران بہت مشکل اور جاں گُسل مراحل کا آنا ناگزیر ہے۔ اس طرح کے مشکل مراحل سے گزرنے کا طریقہ سورۃ البقرۃ ہی میں آگے چل کر اس طرح واضح کیا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٣﴾﴾ ''اے اہلِ ایمان تم مدد طلب کرو نماز اور صبر کے ساتھ، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ اور پھر اس راہ میں جان کی بازی لگانے والے خوش نصیب اہل ایمان کی دلجوئی اس طرح فرمائی گئی: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿١٥٤﴾﴾ ''اور مت کہو انہیں مُردہ جو اللہ کے رستے میں قتل کر دیے جائیں، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔''

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے اُتاری ہے آپ پر یہ کتاب وضاحت کرتی ہوئی ہر شے کی، اور یہ ہدایت، رحمت اور بشارت (بن کر آئی) ہے مسلمانوں کے لیے۔''

یعنی حیاتِ انسانی کے تمام مسائل کا حل قرآن میں موجود ہے۔ قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے جو مسلم یعنی اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔

❁❁❁

اسلامی اخوّت اور خونِ مسلم کی حرمت

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کا ۱۱/ جنوری ۲۰۰۸ء کا خطبہ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾﴾ (الحجرات)

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۭ﴾ (الحجرات:۱۳)

عَنْ اَبِیْ حَمْزَۃَ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ خَادِمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ :

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ))(۱)

رسول اللہ ﷺ کے خادم ابوحمزہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

’’تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مکمل ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔‘‘

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :

((لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِیٍٔ مُسْلِمٍ ، یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ، وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ،

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علیٰ ان من خصال الایمان ان یحب لاخیہ۔

اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ : اَلثَّیِّبُ الزَّانِیْ ، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ ، وَالتَّارِکُ لِدِیْنِہٖ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَۃِ))(۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’(مندرجہ ذیل) تین صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں، جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں (۱) شادی شدہ زانی، (۲) جان کے بدلے جان (قاتل)، اور (۳) دین کا تارک، جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا۔‘‘

معزز سامعین کرام!

امام یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ احادیث ’’اربعین نووی‘‘ میں بہت سی احادیث ایسی ہیں جن کے کلمات تو نہایت مختصر ہیں مگر ان میں دین کی بڑی بڑی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو ’’جوامع الکلم‘‘ سے تعبیر فرمایا ہے۔ گزشتہ نشست میں بھی ہم نے چند جوامع الکلم احادیث کا مطالعہ کیا تھا اور آج بھی جو دو احادیث (حدیث نمبر ۱۳ اور ۱۴) ہمارے زیر مطالعہ ہیں وہ بھی جوامع الکلم میں سے ہیں۔ پہلی حدیث کا تعلق ایمان کے اصل جوہر اور لُبِ لُباب سے ہے اور دوسری کا تعلق اسلام کے قانونی نظام سے ہے، اور پھر اس میں خاص طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کسی مسلمان کی جان کن حالات میں لی جا سکتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑا قانونی اور فقہی مسئلہ ہے۔ آج ہم ان شاء اللہ ان دونوں احادیث کا مطالعہ کریں گے۔

اسلامی اخوت اور عالمگیر اخوت

اپنے معمول کے مطابق میں نے ابتدا میں سورۃ الحجرات کی دو آیات تلاوت کی ہیں، پہلی آیت ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ﴾ (آیت ۱۰) ’’یقیناً اہل ایمان تو بھائی بھائی ہیں‘‘ —— اخوتِ ایمانی کا یہ رشتہ بہت گاڑھا، مضبوط اور بہت بنیادی ہے، لیکن اسی سورۂ مبارکہ کی دوسری آیت میں ایک اور رشتہ اخوت کا ذکر ہے اور وہ اہلِ ایمان کے درمیان نہیں، بلکہ تمام انسانوں کے مابین ہے، چاہے وہ مسلمان ہوں یا کافر۔ فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّھَا

(۱) صحیح مسلم، کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات، باب ما یباح بہ دم المسلم۔

النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى﴾ (الحجرات:۱۳) ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (یعنی ایک انسانی جوڑے) سے پیدا کیا ہے'' ——اس آیت میں بنی نوعِ انسان کی دو مشترک باتوں کو بیان کیا گیا ہے' ان میں سے ایک ہے: ''اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ''، یعنی ہم سب کا خالق ایک ہے۔ چاہے کوئی مسلمان ہو' ہندو ہو' پارسی ہو' عیسائی ہو' الغرض جو بھی ہو' سب کا خالق اللہ ہی ہے۔ جبکہ بنی نوعِ انسان میں دوسری قدرِ مشترک ''مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى'' ہے' یعنی تمام انسان حضرت آدم اور حوا علیہما السلام سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اس قدرِ مشترک کی بنا پر تمام بنی نوع انسان میں بھی ایک رشتہ اخوت ہے۔ اگرچہ اس میں وہ پہلا دائرہ یعنی اخوتِ ایمانی کا جو رشتہ ہے اس کی افضلیت اپنی جگہ مسلّم ہے' مگر اس کے ساتھ تمام انسانوں کے مابین بھی ایک رشتہ اخوت بہرحال موجود ہے۔

راوی اور روایت کا تعارف

اس تمہید کے بعد اب ہم پہلی حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کے راوی حضرت انس بن مالک ؓ ہیں جن کی کنیت ابوحمزہ ہے' اور یہ حضور ﷺ کے خادم اور انصاری صحابی ہیں —— حضور اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی والدہ تقریباً نو (۹) برس کی عمر میں ان کو حضور ﷺ کی خدمت میں چھوڑ گئیں اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! یہ آپ کے پاس رہے گا اور آپ کی خدمت کرے گا۔ اس کے بعد حضرت انسؓ حضور ﷺ کی حیاتِ دنیوی کے پورے مدنی دور میں آپؐ کے خادم کی حیثیت سے آپ کے ساتھ جڑے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ''خادمِ رسول'' کے لقب سے مشہور ہیں اور بہت سی احادیث بھی ان سے مروی ہیں۔ انہی میں سے ایک حدیث آج ہمارے زیر مطالعہ ہے۔

یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے متفق علیہ ہے' یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے' اور یہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ سند کے اعتبار سے کسی حدیث کا اس سے اونچا درجہ اور کوئی نہیں ہے۔ سند کے اعتبار سے جو حدیث متفق علیہ ہے وہ صحت کے اعتبار سے قرآن مجید کے بہت قریب پہنچ جاتی ہے' البتہ یہ ذہن نشین رہے کہ قرآن مجید کا ہر ہر حرف محفوظ ہے' لیکن حدیث کا یہ معاملہ نہیں ہے۔ حدیث کے اندر ایک ہی بات

مختلف صحابہ کرام ؓ بیان کریں گے تو الفاظ کا تھوڑا بہت فرق واقع ہو جائے گا —— حدیث جبریلؑ کے مطالعہ کے دوران میں نے بہت واضح طور پر آپ کو بتایا تھا کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے جو مختلف صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ اس واقعہ کو روایت کرنے والے سب صحابہ وہاں موجود ہیں جو سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں' لیکن پھر بھی بیان کرنے میں الفاظ اور ترتیب کا تھوڑا سا فرق ہو گیا ہے —— لہٰذا قرآن مجید تو لفظاً بھی محفوظ ہے جبکہ حدیث کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ))

''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

''لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى......'' کا مفہوم

اس قسم کی احادیث کے ضمن میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھیے کہ اس کا یہ نتیجہ نکال لینا کہ وہ مؤمن نہیں ہے تو کافر ہے' درست نہیں ہے۔ حدیث جبریلؑ کے ضمن میں تفصیل سے ایمان اور اسلام کا فرق واضح کیا جا چکا ہے کہ ایمان اصل میں بعض حقائق کے قلب میں جاگزیں ہو جانے کا نام ہے اور پھر اس کے مختلف مراتب ہیں —— اسی کا ایک مرتبہ وہ بھی ہے: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ' فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ)) یہ بھی درحقیقت اسی ایمان کی گہرائی کا ایک درجہ ہے' لہٰذا ایمان کی گہرائی کے پہلو سے ایمان کے مختلف تقاضے اور مختلف مظاہر ہیں' اور پھر اسی ترتیب سے ایمان کے مختلف ثمرات اور نتائج ہیں —— اگر دل میں فی الواقع ایمان موجود ہے تو اس کے ثمرات بھی حاصل ہوں گے جنہیں مختلف احادیث اور قرآن مجید کی مختلف آیات' مثلاً سورۃ التغابن کے دوسرے رکوع میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

زیر مطالعہ حدیث کے آغاز میں ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى......)) کے جو الفاظ آئے ہیں' یہ الفاظ کئی اور احادیث میں بھی آئے ہیں۔ مثلاً دو احادیث بہت ہی معروف

وشہور ہیں جو تقریباً اسی انداز کی ہیں۔ پہلی حدیث یوں ہے: ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ))(۱) ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی خواہشِ نفس اس (دین) کے تابع نہ ہوجائے جو میں لے کر آیا ہوں''۔ میں شریعت' اللہ کے احکام اور اوامر ونواہی لایا ہوں' اب اگر تمہاری خواہش نفس اس کے خلاف سرکشی کرتی ہے تو پھر تمہارے قلب میں حقیقی ایمان موجود نہیں ہے اور تم مؤمن نہیں ہو۔ البتہ ایسا شخص مسلم تو ہوسکتا ہے' اس لیے کہ جو شخص کسی وقت اللہ کے کسی حکم پر اپنے نفس کے کسی تقاضے کو ترجیح دے دے تو اس سے وہ گناہگار' فاسق اور فاجر تو ہوگا لیکن وہ کافر نہیں ہوجائے گا۔ البتہ اسے ایمان کی حقیقت اُس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ اُس کی خواہش نفس تابع نہیں ہوگی اس کے جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے ہیں۔

اسی طرح دوسری حدیث یوں ہے: ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ))(۲) ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُسے اُس کے والد' اُس کے بیٹے اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں''۔ یہ بھی ایمان کا ایک تقاضا ہے۔ ایمان کے مختلف تقاضے اور درجات ہیں اور احادیث میں ان کے حوالے سے بات ہوتی ہے' جبکہ اس کو اس لغوی مفہوم میں لے لینا کہ جب مؤمن نہیں ہے تو مسلم بھی نہیں ہے اور گویا پھر کافر ہے' یہ سارا معاملہ غلط ہے اور اس پر حدیث جبریلؑ کے ضمن میں ہم بڑی تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔

اخوت کا تقاضا

اس لحاظ سے زیر مطالعہ حدیث کا مفہوم یوں ہوگا کہ کسی شخص کی شرافت و مروّت کا تقاضا یہ ہوگا کہ جو چیز اپنے لیے پسند کر رہا ہے وہ اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کرے۔ دیکھئے ایک بھائی وہ ہے جو ماں جایا ہے' یعنی آپ کا حقیقی بھائی ہے' ظاہر بات ہے کہ اس اعتبار سے سب سے اَقرب وہی رہے گا۔ اس کے بعد کزنز ہیں جو آپ کے دادا دادی کی

(۱) رواہ فی شرح السنۃ' بحوالہ مشکاۃ المصابیح۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب حب الرسول من الایمان۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وجوب محبۃ رسول اللہ ﷺ اکثر من الاھل والولد والوالد۔

اولاد ہیں۔ وہ بھی پھر بھائیوں میں آجائیں گے اور اس طرح یہ دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا' یہاں تک کہ پوری نوعِ انسانی کو اپنے احاطے میں لے لے گا ــــ میں ابھی بتا چکا ہوں کہ اخوت کا ایک دائرہ تمام مسلمان بھائیوں کو محیط ہے' جبکہ ایک وسیع تر دائرہ میں تمام بنی نوع انسان آجاتے ہیں۔ اس لیے کہ تمام بنی نوع انسان کا خالق ایک اللہ ہے اور تمام کے تمام آدم وحوا علیہما السلام کی اولاد ہیں تو اس اعتبار سے ان سے بھی ہمارا ایک رشتہ اخوت تو بہرحال ہے' لہٰذا اگر ہمیں کوئی خیر ملا ہے تو ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پسند کریں کہ وہ خیر ''الاقرب فالاقرب'' کے حساب سے ہر بھائی کو ملے' اور پھر درجہ بدرجہ یہ بات پھیلتی چلی جائے گی۔

فرض کیجیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت دی ہے' آپ چاہیں گے کہ آپ کے بھائیوں کے اندر بھی صحت ہو' اگر ان میں کوئی مرض ہے تو دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفا دے دے۔ اسی طرح اللہ نے آپ کو دولت دی ہے تو آپ کو یہ پسند کرنا چاہیے کہ آپ کے بھائیوں کے پاس بھی مال و دولت ہو' اگر ان کے پاس نہیں ہے تو آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی دولت سے سرفراز فرمائے۔

اس حوالے سے اہم ترین بات یہ ہے کہ سب سے بڑی اور اہم ترین دولت ''ہدایت'' ہے۔ اگر اللہ عزوجل نے آپ کو ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے تو اب اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی ہدایت دے دے۔ لہٰذا پھر اس کے لیے دل وجان سے کوشش اور محنت کریں۔ جیسے سورۃ التحریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا﴾ ''اے اہلِ ایمان! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے''۔ یہ دراصل خیر خواہی ہے ــــ جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ)) ''دین تو نام ہی خیرخواہی کا ہے'' ــــ لہٰذا ہدایت کو عام کرنا' لوگوں تک پہنچانا' پھیلانا' یہ بھی اسی حدیث کا لازمہ ہوجائے گا۔ پھر جیسے جیسے آپ کے قلب کے اندر وسعت پیدا ہوگی' آپ کے سینے میں فراخی ہوگی تو رشتہ اخوت کا دائرہ بڑھتا چلا جائے گا۔

اس ضمن میں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خلق کی ہدایت اور نوعِ انسانی کو سیدھے راستے پر لانے کی جدوجہد میں ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ انسان کے لیے اس کے سوا کوئی اور کام کرنے کو جی چاہتا ہی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہاں تک فرما دیا: ((فَوَاللّٰہِ لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رَجُلًا وَاحِدًا خَیْرٌ لَکَ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ حُمْرُ النَّعَمِ))(۱) ''اللہ کی قسم! اگر تمہارے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں کے مل جانے سے بھی بڑی دولت ہے'' — یہ روایت بھی جوامع الکلم میں سے ہے۔ دیکھئے کیسے بات کو جمع کیا گیا: ((اَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رَجُلًا وَاحِدًا)) یعنی ہدایت تم نہیں دے سکتے' ہدایت تو اللہ ہی دے گا' لیکن اگر اللہ کسی کو ہدایت دے رہا ہے اور وہ اس کا ذریعہ تمہیں بنا دے یعنی تمہارے ذریعے سے اس کو ہدایت پہنچے' تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بڑھ کر دولت ہے۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((یَا مُعَاذُ! اَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْکَ رَجُلًا مِنْ اَھْلِ الشِّرْکِ خَیْرٌ لَکَ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ حُمْرُ النَّعَمِ))(۲) ''اے معاذ! اگر کسی مشرک آدمی کو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں ہدایت عطا فرما دے تو یہ تمہارے حق میں سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔''

ہم صوفیاء اور اولیاء اللہ کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ انہیں تو بس اسی چیز کی غرض تھی کہ لوگوں تک ہدایت کا کلمہ پہنچ جائے۔ انہوں نے کوئی جائیدادیں تو نہیں بنائیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آج ان کے مقبروں پر مشرکانہ حرکات ہو رہی ہیں' بدعات ہیں' شریعت کے خلاف افعال سرانجام پا رہے ہیں۔ عرس اور میلے منعقد ہوتے ہیں اور ان میں عصمت فروشی کا دھندا بھی ہوتا ہے۔ یہ سارا کچھ ان کے نام پر ہو رہا ہے اور جو گدی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجہاد والسیر' باب دعاء النبی ﷺ الناس الی الاسلام والنبوۃ...... ومسند احمد' ح ۲۱۷۵۵۔ واللفظ لہ۔

(۲) مسند احمد' کتاب مسند الانصار' باب حدیث معاذ بن جبلؓ' ح ۲۱۰۵۹۔

نشین ہیں وہ تو عیاشیاں کرتے ہیں۔ دوسری طرف ان صوفیاء اور اولیاء اللہ نے تو عسرت کی زندگی گزاری ہے۔ بابا فرید گنج شکرؒ کے بارے میں آتا ہے کہ بسا اوقات ان کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا کہ پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر اس سے سوکھی روٹی ذرا گیلی کر کے کھاتے تھے۔ انہوں نے زندگی اس طور سے گزاری اور انہوں نے کوئی کاروبار نہیں کیا۔ حالانکہ کاروبار کرنا کوئی حرام تو نہیں ہے' لیکن ان کے ذہن میں چیزوں کی قدر و قیمت کا ایک معیار (sense of values) تھا کہ کاروبار سے مجھے سوائے معاش کے اور کیا حاصل ہو گا! اور اگر میرے ذریعے سے اللہ ہدایت پھیلا دے تو اس کے بدلے جو کچھ مجھے آخرت میں حاصل ہو گا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اپنی توانائیوں کو کم قیمت پر ہرگز فروخت مت کریں!

الغرض جب انسان اس سطح تک پہنچ جاتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ میں اپنی قدر و قیمت تھوڑی کیوں قبول کروں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو بھی توانائی' قوت' مہلت عمر' صحت' اظہار مافی الضمیر اور تقریر و تحریر کی صلاحیتیں دی ہیں' ان کو آپ بازار میں لا کر گھٹیا قیمت پر فروخت نہیں کریں گے' اس لیے کہ ان کی سب سے بڑی قیمت یہ ہے کہ ان صلاحیتوں کو لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کے لیے' ان کی عاقبت سنوارنے اور ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے صرف کریں۔ تو درحقیقت یہ شرافت و مروّت کا وہ تقاضا ہے جس سے دین کی دعوت پھیلتی ہے۔ یہ جذبہ اگر لوگوں کے اندر ہو گا تو وہ اپنے وقت کا اصل مصرف اسی کو قرار دیں گے اور زندگی کے اندر اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کی سب سے اہم قیمت اسی کو سمجھیں گے کہ اس کو لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا جائے۔ بہرحال زیر مطالعہ حدیث میں اس کی تاکید کے لیے انداز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ اگر ایسا جذبہ انسان میں نہیں ہے تو پھر گویا حقیقی ایمان' ایمان کا اصل جوہر اور اصل لُبِّ لُباب نہیں ہے' اس لیے کہ جب ایمانِ حقیقی ہو گا تو آپ کا آخرت پر یقین ہو گا اور پھر دنیا میں آپ ہر چیز کی قیمت کا تعین آخرت کے حوالے سے کریں گے کہ آخرت میں اس کی کیا قدر و قیمت اور اجر و ثواب ہے۔ جیسے کہ ہم پچھلی حدیث میں پڑھ چکے ہیں: ((مِنْ حُسْنِ

اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ)) ''کسی آدمی (مسلمان) کے اسلام کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ہر اس کام کو چھوڑ دے جس کا اس کو کوئی فائدہ نہیں''۔ یعنی دنیا کا وقت یا تو دنیوی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے لگے —— ظاہر بات ہے زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے یہ ایک جائز اور صحیح مصرف ہے —— یا پھر اس کے ذریعے سے آخرت کمائی جائے۔ یوں سمجھنا کہ وقت کوئی بے کار اور فضول چیز ہے' یہ رویہ قابل مذمت ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ اس حوالے سے ہمارے ہاں ''وقت گزاری'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے' اگر آخرت کا یقین ہو تو اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح کون چاہے گا کہ میری اولاد' میرا بھائی جہنم میں ڈالا جائے؟ لہٰذا اس جذبہ کے پیدا ہونے کے بعد انسان کی ساری صلاحیتیں' ساری قوتیں' ساری توانائیاں اس فکر میں صرف ہوں گی کہ جتنوں کو بچا سکوں بچا لوں۔ جیسے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: ''میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ آگ کا ایک الاؤ ہے جو تمہیں نظر نہیں آ رہا اور تم اس میں گر پڑنا چاہتے ہو اور میں تمہارے کپڑے پکڑ پکڑ کر اس سے دور گھسیٹ رہا ہوں''۔ سمجھانے کی غرض سے اس کی ایک عام سی مثال میں یوں دیا کرتا ہوں کہ آپ ایک سڑک کے کنارے بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ آگے سڑک کھدی پڑی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی اپنے معمول کے مطابق اس راستے سے گزر رہا ہے' اسے کیا پتا ہے کہ آگے سڑک کھدی ہوئی ہے۔ وہ ذرا آگے بڑھے گا تو آپ چلا کر کہیں گے: او خدا کے بندے! آگے مت بڑھو' ذرا بچو' آگے گڑھا ہے۔ اب فرض کیجیے کہ وہ بہرا بھی ہے اور اس نے آپ کی بات سنی ہی نہیں اور چلتے چلتے وہ گڑھے کے کنارے پر پہنچ گیا ہے تو آپ دوڑ کر اس کے کپڑے پکڑیں گے اور کھینچ کر اس کو بچائیں گے۔ یہی لفظ استعمال کیا حضور ﷺ نے کہ میں تمہارے کپڑے پکڑ پکڑ کر تمہیں بچا رہا ہوں۔

اس حوالے سے آپ کی زندگی میں یہ چیز بہت اہمیت کی حامل ہے کہ آپ کی اقدار کیا ہیں؟ آپ نے کس چیز کو کتنی اہمیت دی ہے؟ آپ کے نزدیک کس چیز کی کتنی قدر و قیمت ہے؟ پھر جو چیز آپ نے اپنے لیے پسند کی ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند

کیجیے۔ مثلاً اگر آپ اپنے لیے جنت پسند کرتے ہیں تو آپ اپنے بھائی کے لیے بھی جنت پسند کیجیے۔ بھائی سے آگے کزنز اور پھر اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو کر پوری اُمتِ مسلمہ اور پھر پوری نوعِ انسانی تک پھیل جانا چاہیے۔ چنانچہ یہی بات قرآن مجید میں حضور ﷺ کے بارے میں کہی گئی ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ (الانبیاء) ''(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔ یعنی حضور اکرم ﷺ کا دائرۂ رحمت تمام اہلِ عالم تک پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ لفظی ترجمہ ہے ''تمام جہانوں کے لیے''، لیکن بعض اوقات عربی زبان میں ظرف کی جمع بول کر مظروف کی جمع مراد ہوتی ہے' تو یہاں بھی ایسا ہی ہے' لہٰذا مفہوم یہ ہوگا کہ اس عالم میں رہنے والے تمام لوگ' تمام قومیں' تمام نسلیں' ان سب کے لیے آپؐ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اب اس رحمت کا کوئی عکس صاحبِ ایمان شخص کی شخصیت کے اندر بھی پیدا ہو جانا چاہیے' اگر حقیقی' واقعی اور اصلی اور قلبی یقین والا ایمان حاصل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیمِ مراتب

اب آئیے اگلی حدیث کی طرف' اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ کبارِ صحابہؓ اور فقہائے صحابہؓ میں سے ہیں —— صحابہ میں ایک تقسیم (classification) ہے کبارِ صحابہ (بڑی عمر کے صحابی) اور صغارِ صحابہ (چھوٹی عمر کے صحابہ) کی۔ حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی صحابی ہیں لیکن بچے ہی تھے جب حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا' تو ان کا شمار صغارِ صحابہ میں ہوتا ہے' جبکہ حضرات ابوبکر' عمر' عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کا شمار کبارِ صحابہ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح صحابہ کی ایک تقسیم فقرائے صحابہ اور اغنیاءِ صحابہ کی ہے۔ صحابہ میں سے بعض فقیر منش لوگ تھے۔ فقراء اس معنی میں کہ وہ بھی دنیا کما سکتے تھے' لیکن انہوں نے دنیا کمانے کا معاملہ بالکل ترک کر دیا۔ گویا اپنے آپ کو صد فیصد حضور ﷺ کے نقشِ قدم پر چلایا۔ اس لیے کہ وحی کے آغاز کے بعد حضور ﷺ نے کسبِ معاش کا کوئی کام نہیں کیا۔ چالیس برس کی عمر میں وحی کا آغاز ہو گیا اور ایک مشن آپ ﷺ کے حوالے کر دیا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ

فَاَنۡذِرۡ ﴿۲﴾ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرۡ ﴿۳﴾ (المدثر) ’’اے (محمد ﷺ!) جو کپڑا لپیٹے پڑے ہو! اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو‘ اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو!‘‘ اس کے بعد آپ ﷺ کے دن رات کا ایک ایک لمحہ اسی کام میں صرف ہوا۔ آپ ﷺ کے نقش قدم پر بہت سے صحابہ کرام ؓ نے بھی یہی کیا کہ نہ کوئی مکان بنایا اور نہ کوئی معاش کا ذریعہ اختیار کیا۔ اصحابِ صفہ کی تو گھر گرہستی کی زندگی ہی نہیں تھی۔ وہ تو مسجد کے اندر پڑے رہتے تھے‘ کہیں سے کسی نے کچھ بھجوا دیا تو کھا لیا‘ ورنہ بھوکے ہی ہیں اور فاقے پر فاقے آ رہے ہیں۔ اصحابِ صُفّہ میں سے مشہور فقیر منش صحابی حضرت ابوہریرہ ؓ ہیں۔ اصحابِ صفہ کے علاوہ بھی چند صحابہ کرامؓ کا شمار فقراءِ صحابہ میں ہوتا تھا‘ جن میں نمایاں حضرت ابوذر غفاری‘ حضرت سلمان فارسی‘ اور حضرت ابودرداء ؓ ہیں۔

پھر صحابہ کی ایک اور تقسیم ہے ’’فقہائے صحابہ‘‘ کی‘ یعنی وہ صحابہ جنہیں دین کا فہم اور دین کا تفقہ گہرائی کے ساتھ حاصل تھا۔ ظاہر بات ہے کہ اس اعتبار سے بھی سب صحابہ برابر تو نہیں تھے‘ سب کی ذہنی سطح (level of consciousness) ایک طرح کی تو نہیں تھی۔ کسی کے اندر اللہ نے ذہانت زیادہ رکھی تھی اور کسی میں کم۔ تو اس اعتبار سے بھی سب برابر نہیں تھے۔ ع ’’خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!‘‘ —— تو وہ صحابہ جن کے اندر دین کا فہم بہت گہرا تھا ان کو فقہائے صحابہ کہتے ہیں اور ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو اونچا مقام حاصل ہے۔ حضرات ابوبکر صدیق‘ عمر فاروق‘ معاذ بن جبل اور عبداللہ بن عباس ؓ بھی فقہائے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ خواتین میں سے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت اُمِ سلمہ ؓ کا شمار فقہائے صحابہ میں ہوتا ہے۔

خونِ مسلم کی حرمت

بہرحال زیر مطالعہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ)) ’’حلال نہیں ہے کسی مسلمان کا خون‘‘ یعنی کسی مسلمان کا خون کر دینا‘ کسی مسلمان کی جان لے لینا‘ کسی مسلمان کو قتل کر دینا جائز نہیں ہے۔ آگے مسلمان کی تعریف بھی کر دی: ((یَشْھَدُ اَنْ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ‘ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ)) ’’جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں‘ اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں‘‘۔ یہ مسلمان ہونے کی ناگزیر اور واحد شرط ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی شرط نہیں ہے۔ اگر ایک شخص توحید و رسالت کی گواہی دے رہا ہے اور نماز نہیں پڑھ رہا ہے تو بعض فقہاء کے مطابق ایسے شخص کو بڑی سخت سزا دی جائے گی‘ اس کو قید میں ڈالا جائے گا‘ یہاں تک کہ توبہ کرے اور نماز پڑھے‘ لیکن اسے کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کا قتل بھی جائز ہے‘ لیکن یہ ایک شاذ رائے ہے۔ البتہ اسے سزا دی جائے گی‘ جیسے چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے‘ جبکہ قانونی طور پر وہ شخص دائرۂ اسلام سے نہیں نکلے گا۔

ہم نے حدیث جبریلؑ اور ارکانِ اسلام والی حدیث میں پڑھا ہے کہ اسلام میں کلمہ شہادت کے بعد نماز بھی ہے‘ روزہ بھی ہے‘ زکوٰۃ بھی ہے اور حج بھی ہے‘ لیکن یہ سب اضافی چیزیں ہیں۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے‘ خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے وضاحت موجود ہے کہ نماز کا تارک کافر نہیں ہے۔ البتہ نماز کا منکر کافر ہو جائے گا‘ اس لیے کہ جو مانتا ہی نہیں کہ نماز فرض ہے گویا وہ قرآن کا انکار کر رہا ہے اور جو قرآن کا انکار کر رہا ہے تو وہ اسلام کے دائرے سے نکل گیا۔ اسی طرح تارکِ صوم یعنی روزہ نہ رکھنے والا بھی کافر نہیں ہے‘ البتہ جو منکر صوم ہو گا وہ کافر ہو جائے گا۔ الغرض جو ضروریاتِ دین میں سے کسی کا بھی انکار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا‘ لیکن یہ ایک علیحدہ بات ہے‘ جبکہ یہاں ایک بنیادی شرط (base line) مقرر کر دی گئی ہے کہ جو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اس کی جان لینا‘ اس کا قتل کرنا‘ اس کا خون بہانا جائز نہیں ہے۔

جوازِ قتل کی پہلی صورت: رجم

آگے جوازِ قتل کی صورتوں کا بیان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ)) ’’مگر تین میں سے ایک شکل (میں قتل کا جواز ہے)‘‘۔ (۱) ((اَلثَّیِّبُ الزَّانِیْ)) ’’شادی شدہ زانی‘‘۔ یعنی کوئی شادی شدہ شخص اگر زنا کا مرتکب ہوا تو اسے رجم کیا

جائے گا اور رجم بھی قتل ہی کی ایک شکل ہے۔ الہامی شریعتوں میں رجم کی یہ سزا ہمیشہ سے رہی ہے اور تورات میں اس کا ذکر موجود ہے۔ قرآن مجید میں اگرچہ اس کا ذکر نہیں ہے‘ لیکن نبی اکرم ﷺ نے اپنے دور میں رجم کیا اور رجم کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اے اللہ! میں نے تیری سنت کو زندہ کر دیا۔‘‘ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی شادی شدہ زانیوں کو رجم کیا۔

دراصل یہ دو سزائیں (۱) رجم اور (۲) قتل مرتد‘ اسلام میں ہیں‘ لیکن ان دونوں کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ یہ دونوں سزائیں سابق الٰہی قانون ’’شریعت موسوی‘‘ میں موجود تھیں اور ان کا ذکر سابقہ آسمانی کتاب تورات میں بھی موجود ہے۔ ظاہر بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام‘ عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ ایک ہی سلسلۃ الذھب (سنہری زنجیر) کی کڑیاں ہیں‘ اور بنیادی طور پر دین تو ایک ہی ہے۔ چنانچہ ہماری شریعت میں یہ جو دو قتل ہیں: (۱) قتل مرتد‘ یعنی کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا‘ اور (۲) رجم‘ یعنی جو زانی ہو اور ہو شادی شدہ‘ تو ان دونوں سزاؤں کی اصل شریعت موسوی ہے اور شریعتِ محمدی میں بھی اسے برقرار رکھا گیا ہے۔

غیر شادی شدہ کے لیے زنا کی سزا سورۃ النور کی ابتدائی آیات میں مذکور ہے کہ زانی اور زانیہ دونوں کو سو سو کوڑے مارو‘ اور وہ کوڑے بھی برسرعام لگائے جائیں تاکہ مسلمانوں کی ایک جماعت انہیں دیکھے۔ اسی طریقے سے رجم بھی سرعام ہوتا ہے۔

اسلامی سزاؤں کی غرض وغایت: استیصالِ جرم

اسلام میں جو سزاؤں کا تصور ہے وہ درحقیقت جرم کے استیصال کے لیے ہے کہ معاشرے کے اندر دہشت بیٹھ جائے اور لوگوں کو عبرت ہو جائے کہ اگر یہ جرم ہم کریں گے تو ہمیں بھی یہ سزا ملے گی۔ یاد رکھیے کہ جرم اس کے بغیر کبھی ختم نہیں ہوتا۔ آج کی دنیا میں مہذب ترین اور تعلیم یافتہ ملک امریکہ سے بڑھ کر تو کوئی نہیں‘ لیکن وہاں کس قدر گھناؤنے جرائم ہوتے ہیں آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ وہاں تصور یہ ہو گیا ہے کہ جو شخص جرم کرتا ہے وہ نفسیاتی مریض ہے۔ ظاہر بات ہے کہ مریض سے

دشمنی تو نہیں ہمدردی ہونی چاہیے‘ اس کی اصلاح ہونی چاہیے اور اس کا علاج کیا جانا چاہیے۔ اسی لیے امریکہ کی جیلوں کو اصلاحی مراکز (corrective centers) کہا جاتا ہے۔ پھر زندگی کی جو بھی ضروریات ہیں وہ بھی انہیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ اب اس کے نتیجے میں لامحالہ جرم کبھی ختم نہیں ہو گا۔

عام طور پر وہاں زیادہ جرائم پیشہ افراد ایفرو امریکنز ہیں اور میں کہا کرتا ہوں کہ یہ ایفرو امریکنز آج کے امریکیوں سے بدلہ لے رہے ہیں کہ تم ہمارے آباء واَجداد کو آہنی زنجیروں میں جکڑ کر افریقہ سے جانوروں کی طرح جہازوں میں بھر بھر کر لائے تھے اور پھر تم نے انہیں غلام بنایا تھا‘ ان پر ظلم وتعدی کے پہاڑ توڑے تھے‘ اور ان سے وہ کام لیے تھے جو ان کی بساط سے بڑھ کر تھے‘ تو آج ہم اس کا بدلہ لے رہے ہیں —— بہرحال وہاں ہوتا یہ ہے کہ ایک مجرم نے جرم کیا اور اس کے بعد اس کو ’’سزا‘‘ یہ ملی کہ اسے corrective center میں ایک سال رہنا ہے۔ وہ مجرم ایک سال وہاں مزے سے رہا‘ واپس آیا‘ پھر جرم کیا اور دوبارہ وہاں پہنچ گیا۔ کیونکہ باہر رہ کر تو محنت مزدوری کرنا پڑتی ہے اور وہاں بلامشقت تمام سہولیات حاصل ہوتی ہیں۔ اس طرح کی سزا سے تو جرم کے خاتمے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وہاں یہ چیز بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ ان میں سے جو مسلمان ہو جاتے ہیں وہ پھر جرم کا راستہ ترک کر دیتے ہیں —— اس لیے مسلمان تارکینِ وطن میں سے بہت سے مبلغین بہت عرصے سے وہاں کی جیلوں میں جا کر تبلیغ کرتے ہیں۔ وہ قیدیوں کی دلجوئی کے لیے کچھ کھانے پینے کا سامان اور کچھ تحائف ساتھ لے جاتے ہیں اور انہیں اصلاح کی دعوت دیتے ہیں۔ اس تبلیغ سے ان میں سے جو مسلمان ہو جاتا ہے وہ دوبارہ وہاں نہیں آتا اور معاشرے میں جا کر ایک امن پسند شہری کی طرح اپنی باقی ماندہ زندگی گزارتا ہے۔ وہاں کی انتظامیہ کے علم میں جب یہ بات آئی تو اس کے بعد اب وہاں پر مسلمان مبلغین اچھی بھلی تنخواہ پر رکھے جاتے ہیں جو جیلوں میں موجود جرائم پیشہ افراد کی اصلاح کرتے ہیں اور اس کے بہت اچھے نتائج بھی نکلتے ہیں۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے باقاعدہ اسی پیشے کو اختیار کیا ہے۔

اسلامی سزاؤں کی بدولت سعودی عرب جرائم سے پاک

میں یہ بتا رہا تھا کہ جرم کا خاتمہ سخت سزا ہی سے ممکن ہے‘ یعنی ایک آدمی کو سزا دینے سے ہزار کے ہوش ٹھکانے آجائیں اور ہر کوئی سوچے کہ اگر میں نے یہ کام کیا تو یہی میرا معاملہ ہوگا۔ سعودی عرب کے معاملے میں پوری دنیا میں مانا جاتا ہے کہ وہاں جرائم کی شرح بہت کم‘ بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے‘ حالانکہ آلِ سعود کے آنے سے پہلے وہاں بے تحاشا جرم تھے‘ لوٹ مار اور غارت گری عروج پر تھی۔ ایک زمانے میں وہاں حاجیوں کو لوٹا اور قتل کیا جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے جب میرے دادا حج کے لیے گئے تھے تو اُس وقت سمجھا جاتا تھا کہ جو جا رہا ہے اس کی زندگی کا بس خاتمہ ہے۔ اگر وہ واپس آ گیا تو ایک بونس ہے‘ یعنی ایک طرح سے اسے مزید مہلت عمر مل جائے گی۔ اُس دور میں عام طور پر صرف بڑی عمر کے لوگ حج پر جایا کرتے تھے۔ حاجیوں کو جان و مال کا کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا۔ لیکن جب سے آلِ سعود کی حکومت قائم ہوئی ہے تو جرم ختم ہو گیا ہے۔

آلِ سعود کی حکومت اصل میں ایک مشترک حکومت تھی۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی اولاد جو آلِ شیخ کہلاتے ہیں اور آلِ سعود کے درمیان یہ معاہدہ ہوا کہ ہم مل جل کر جدوجہد کرتے ہیں اور ایک حکومت قائم کرتے ہیں۔ حکومت کا انتظام آلِ سعود کے پاس رہے گا جبکہ دینی معاملات آلِ شیخ کے پاس رہیں گے (اب بھی وہاں جو عالمِ دین اکثر خطبۂ حج دیتے ہیں ان کے نام کے ساتھ آلِ شیخ موجود ہے‘ یعنی وہ محمد بن عبدالوہاب کی اولاد میں سے ہیں) —— جب آلِ سعود کی حکومت قائم ہوئی تو آلِ شیخ نے وہاں شریعت کے مطابق اسلامی سزاؤں کو نافذ کیا۔ اس سے یہ ہوا کہ جب چوری پر کسی ایک کا ہاتھ کٹا تو چوری ختم ہو گئی۔ اگر کسی علاقے کے اندر کوئی قافلہ لوٹا گیا تو اس علاقے کے لوگوں کو جمع کر لیا گیا کہ تم سب کو سزا ملے گی ورنہ مجرموں کو حاضر کر دو اور مجرم حاضر کر دیے جاتے تھے۔ اسی طرح سے قتل کی سزا قتل ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ ریاض کی جامع مسجد کے باہر میدان میں نمازِ جمعہ کے بعد ہجوم کے سامنے جلاد مجرم کی گردن اڑاتا ہے۔ سب کے سامنے گردن اڑانے کا مقصد یہ ہے کہ عبرت حاصل ہو اور انسان جرم سے دور

بھاگے۔ تو وہاں پر درحقیقت جرم کا خاتمہ اسی سے ہوا تھا۔ اس کے علاوہ جرم کو ختم کرنے کا کوئی اور ذریعہ موجود نہیں ہے۔ اگر آپ سمجھیں کہ تعلیم اور تہذیب سے جرم ختم ہو جائے گا تو تعلیم کا معیار امریکی قوم کے معیارِ تعلیم سے اوپر نہیں جا سکتا اور وہ آج دنیا کی مہذب ترین قوم مانی جاتی ہے‘ لیکن وہاں بھی بدترین جرائم موجود ہیں۔

جوازِ قتل کی دوسری صورت: جان کے بدلے جان

زیر مطالعہ حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے مگر تین صورتوں میں۔ جوازِ قتل کی ایک صورت تو یہ ہے کہ شادی شدہ ہو کر زنا کرے۔ جبکہ دوسری صورت یہ ہے کہ ((اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ)) ”جان کے بدلے جان“ یعنی جس نے قتل عمد کیا ہے تو اس کے جواب میں اسے قتل کیا جائے گا‘ اِلا یہ کہ مقتول کے ورثاء خون بہا لینے پر آمادہ ہو جائیں یا اسے معاف کر دیں۔ یہ اختیار مقتول کے ورثاء کو ہے کسی اور کو نہیں۔ ہمارے ہاں جو یہ قانون ہے کہ صدرِ مملکت کو معاف کرنے کا حق حاصل ہے یہ خلافِ اسلام اور سراسر غلط ہے —— دیکھئے ایک شخص پر قتل کا مقدمہ ہے‘ سیشن کورٹ نے اسے پھانسی کی سزا دی‘ ہائی کورٹ میں اپیل ہوئی تو ہائی کورٹ نے بھی وہ سزا بحال رکھی‘ پھر سپریم کورٹ میں اپیل ہوئی تو اس نے بھی وہ سزا بحال رکھی‘ اب وہ صدر کے سامنے رحم کی اپیل (merci petition) دائر کرے گا اور چاہے گا کہ صدر معاف کر دے —— یہ قطعاً غلط اور خلافِ اسلام ہے۔ کسی کے پاس قاتل کو معاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہاں مقتول کے ورثاء کے پاس یہ حق موجود ہے اور اس میں بہت بڑی حکمت ہے۔ آپ سوچئے! جیسا کہ ہمارے ہاں‘ خاص طور پر دیہات میں‘ اب بھی ہوتا ہے کہ قتل کے بدلے قتل‘ پھر قتل‘ پھر قتل اور اس طرح قتل در قتل کا ایک سلسلہ چل نکلتا ہے جو کئی نسلوں تک چلتا ہے۔ اور اگر کبھی ایسا ہو جائے کہ ایک قاتل کو مقتول کے ورثاء معاف کر دیں تو یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا کہ نہیں؟ یعنی مقتول کے ورثاء نے قاتل کے اوپر اتنا بڑا اکرم اور احسان کیا کہ اس کی جان بخشی کر دی‘ لہٰذا اب اس کے جواب میں کوئی قتل نہیں ہوگا اور اس طرح قتل کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

واضح رہے کہ یہ قتلِ عمد کی صورت میں ہے‘ جبکہ قتلِ خطا میں جان کے بدلے جان نہیں بلکہ دیت ہوتی ہے اور اگر اس ضمن میں کسی سرکاری یا حکومتی قانون کی خلاف ورزی کی گئی ہے تو اس کی سزا الگ ہوگی۔ چنانچہ سعودی عرب میں کسی کی گاڑی کے نیچے آ کر کوئی شخص مر جائے تو دیت تو دینی پڑتی ہے‘ چاہے ڈرائیور کا ارادہ قتل کا نہیں بھی تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ وہاں بہت محتاط ہو کر ڈرائیونگ کرتے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے مدینہ منورہ میں دیکھا کہ ایک بڑی عمر کی عورت کو ایک گاڑی نے ذرا ٹچ کیا تو ڈرائیور فوراً اتر کر منت سماجت اور خوشامدیں کرنے لگ گیا کہ ’’اے میری ماں‘ مجھے معاف کر دے!‘‘ اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ اس پر مقدمہ قائم ہو سکتا ہے اور سخت سزا مل سکتی ہے‘ جبکہ یہاں کون پروا کرتا ہے‘ اس لیے کہ یہاں دیت کا معاملہ ہی نہیں ہے۔ وہاں مزید یہ بھی ہے کہ آپ لائسنس کے بغیر ڈرائیونگ کر رہے ہیں تو یہ حکومتی جرم ہو گیا اور اس کا جرمانہ آپ کو الگ سے ادا کرنا ہوگا۔

مجھے ایک واقعہ معلوم ہوا تھا کہ مدینہ یونیورسٹی کے ایک مصری پروفیسر کی کار کے ذریعے ایکسیڈنٹ ہوا اور ایک شخص مر گیا۔ جب مدینہ کے گورنر کے پاس یہ معاملہ گیا تو اس نے کہا: دیکھئے جناب! دیت تو اللہ کی طرف سے ہے‘ وہ ہم معاف کرنے والے کون ہیں؟ البتہ آپ کا جو دوسرا جرم تھا ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کا تو وہ ہم معاف کر سکتے ہیں‘ اس لیے کہ وہ ہمارے قانون کی خلاف ورزی ہے۔

جوازِ قتل کی تیسری صورت: قتلِ مرتد

جوازِ قتل کی تیسری صورت یہ ہے: ((وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ)) ’’جو اپنے دین کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کی جماعت سے نکل جائے‘‘۔ اس سے مراد مرتد ہے اور مرتد کی سزا بھی قتل ہے‘ مگر اس دور میں بعض جدید دانشوروں اور اس وقت دنیا کے اندر رائج جدید فکر کے مطابق ہر انسان کو مذہب بدلنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ اہلِ مغرب جو ہماری بہت سی چیزوں پر اعتراض کرتے ہیں‘ ان کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اگر کوئی عیسائی مسلمان ہو جائے تو آپ اسے سینے سے لگاتے ہیں اور اگر کوئی مسلمان

عیسائی ہو جائے تو آپ اس کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آزادیٔ خیال اور آزادیٔ اظہارِ رائے جدید تہذیب کے دو نمایاں مندرجات ہیں اور جن کی گھٹی میں اس جدید تہذیب کے جراثیم پڑ گئے ہیں تو اسلام کے یہ احکام ان کی سمجھ میں آنے والے نہیں ہیں‘ لیکن بہرحال اسلام کا قانون یہی ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ جدید تہذیب سے متاثر ہو کر ہمارے جدید دانشوروں نے بھی یہ کہنا شروع کیا ہے کہ محض مرتد واجب القتل نہیں ہے‘ البتہ مرتد ہونے کے بعد اگر وہ اسلامی ریاست کے خلاف کوئی سازش بھی کر رہا ہو تو واجب القتل ہے۔ انہوں نے یہ رائے جدید اثرات کے دباؤ کے تحت قائم کی ہے‘ ورنہ سیدھی سیدھی بات یہ ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا۔ اس کا اصل حکم بھی تورات میں ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چالیس دن کے لیے کوہِ طور پر بلایا اور تورات عطا کی تو پیچھے سامری نے ایک بچھڑا بنا دیا — وہ بچھڑا بنی اسرائیل کے پاس موجود سونا‘ چاندی اور دوسرے زیورات کو پگھلا کر بنایا گیا تھا اور اس کی ساخت ایسی تھی کہ جب اس میں سے ہوا گزرتی تھی تو اس میں سے بچھڑے جیسی آواز نکلتی تھی۔ سامری نے کہا کہ یہ ہے تمہارا خدا! موسیٰ تو خواہ مخواہ بھٹک کر غلط راستے پر پڑ گیا ہے۔ خدا تو یہاں موجود ہے اور وہ کوہِ طور پر خدا سے ملنے کے لیے گیا ہے۔ تو بنی اسرائیل میں سے بہت سے لوگ بچھڑے کی پرستش کے اندر مبتلا ہو گئے۔ اب یہ کھلا کفر اور شرکِ جلی یعنی بالکل واضح شرک تھا۔

ایک شرک تو وہ ہوتا ہے جو چھپا ہوا ہو‘ جیسے ریاکاری شرکِ خفی ہے۔ مثلاً اگر آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ دیکھیں کہ کوئی شخص آپ کو دیکھ رہا ہے تو آپ اپنی نماز اور سجدوں کو زیادہ طویل کر دیں تو یہ بھی شرک ہے۔ فرض کریں کہ پہلے آپ کا سجدہ تین سیکنڈ کا ہو رہا تھا اور اب پانچ سیکنڈ کا ہو گیا تو یہ دو اضافی سیکنڈ آپ نے صرف اُس شخص کو دکھانے کے لیے لگائے ہیں‘ تو یہ بھی شرک ہے‘ لیکن یہ شرکِ خفی ہے۔ اس پر کوئی حکم اور فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا اور اس پر کوئی گرفت نہیں ہو سکتی‘ اس لیے کہ یہ تو آپ کا اندرونی معاملہ ہے۔ ہمیں اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ یہ ریاکاری کہیں ہمارے اندر پیدا نہ

ہو جائے۔ اس کے بارے میں‘ میں نے آپ کو وہ حدیث بھی سنائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صَلّٰی یُرَائِی فَقَدْ اَشْرَكَ‘ وَمَنْ صَامَ یُرَائِی فَقَدْ اَشْرَكَ‘ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِی فَقَدْ اَشْرَكَ))(۱) ’’جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی تو اُس نے شرک کیا‘ جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا تو اُس نے شرک کیا‘ اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ وخیرات کیا تو اُس نے شرک کیا‘‘۔ تو یہ شرکِ خفی ہے‘ لیکن ظاہر بات ہے کہ بچھڑے کی پرستش شرک جلی تھی اور وہ گویا مرتد ہو گئے۔ لہٰذا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور انہوں نے سارا معاملہ دیکھا تو اللہ کا یہ حکم نافذ کیا کہ ہر قبیلے کے وہ لوگ جنہوں نے یہ شرک کیا ہے انہیں اسی قبیلے کے وہ لوگ اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں جو شرک سے محفوظ رہے۔ اور تورات بتاتی ہے کہ اس جرم میں ستّر ہزار لوگ قتل ہوئے تھے۔ یہ لوگ جب مصر سے نکلے تھے تو چھ لاکھ تھے‘ ان میں سے ستّر ہزار نے وہ جرم کیا اور وہ مرتد ہو کر قتل ہوئے۔ لہٰذا تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔

الغرض تین صورتوں کے سوا کسی صورت میں بھی کسی مسلمان کی جان نہیں لی جا سکتی اور وہ تین صورتیں یہ ہیں: (۱) شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے گا‘ (۲) کسی نے قتل کیا ہے جان بوجھ کر تو جواباً قصاص میں اُسے قتل کیا جائے گا‘ اِلا یہ کہ مقتول کے ورثاء اسے معاف کر دیں‘ اور (۳) اگر کسی مسلمان نے اپنا دین ترک کر دیا‘ بدل دیا تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا‘ اِلا یہ کہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر کہیں چلا جائے۔

اقول قولی هذا واستغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المُسلمین والمُسلماتOO

(مرتب: حافظ محمد زاہد‘ ادارتی معاون)

---

(۱) مسند احمد‘ مسند الشامیین‘ باب حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ‘ ح ۱۶۵۱۷۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

۱۲ ربیع الاوّل کے جلوس کی حقیقت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

حضور اکرم ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے جو اُس وقت جہالت کا گڑھ تھا۔ چالیس سال کی عمر میں جب آپؐ پر وحی نبوت کا آغاز ہوا تو آپؐ نے اللہ کے حکم سے لوگوں کو راہِ حق کی طرف بلایا: ؎

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا!

انتہائی نامساعد حالات میں آپ اللہ کا حکم لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ اس کام میں آپؐ نے سخت تکالیف اٹھائیں‘ یہاں تک کہ جو چند لوگ دین اسلام میں داخل ہو گئے مکہ میں ان کا رہنا ناممکن بنا دیا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی اور خود بھی مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ چلے گئے۔ یہاں بھی قریش مکہ نے آپ ﷺ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا‘ مگر آپ ﷺ کی مخلصانہ اور انتھک مساعی کا نتیجہ تھا کہ مدینہ منورہ اسلام کا گہوارہ بن گیا۔ اسلام کو مٹانے کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں‘ مدینہ اسلام کی روشنی سے چمک اٹھا۔ ہجرتِ مدینہ کے آٹھویں سال مسلمان اس قابل ہو گئے کہ وہ حضور ﷺ کی قیادت میں فاتحانہ مکہ میں داخل ہو گئے۔

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ کے مصداق رسول اللہ ﷺ ہجرت کے ۱۰ سال بعد رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ پر دین اسلام کی تعلیم مکمل کر دی گئی تھی اور اسلام ضابطۂ حیات کے طور پر مسلمانوں میں رائج ہو چکا تھا۔ قرآن مجید میں اعلان آ چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی لوگوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے اصحاب نے آپؐ کی پیروی میں اپنی زندگیوں کو نہ صرف خود اسلام کے مطابق ڈھالا بلکہ آپؐ کے مشن کی تکمیل میں لگ گئے۔ آپؐ کے بعد اسلام روئے زمین پر لاکھوں مربع میل میں پھیل گیا۔

اسلامی تعلیمات پر عمل کے اعتبار سے خلفائے راشدین ؓ کا زمانہ بہترین تھا کہ دین اسلام خالص حالت میں مسلمانوں میں رائج رہا۔ لوگوں کے پیش نظر یہ فرمان رسولؐ تھا کہ لوگو تم

پر لازم ہے کہ تم میرے طریقے کو اپناؤ اور میرے خلفائے راشدین کا طریقہ اختیار کرو۔ نیز یہ بھی اعلان کر دیا کہ اسلامی تعلیمات کی تکمیل ہو چکی ہے اور اب اس میں کسی اضافے کی ضرورت نہیں اور یہ تکمیل بھی خود رسول اللہ ﷺ کے حین حیات اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان الفاظ میں کر دی کہ: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ﴾ (المائدۃ:۳) ”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تمہارے اوپر تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا“۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ﴾ (آل عمران:۸۵) ”جو کوئی دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اپنائے گا وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا“۔ گویا اب انسان مسلم اور کافر دو فریقوں میں تقسیم ہو گئے۔ مگر زمانے کے ساتھ ساتھ مسلمان قرآن وسنت کے راستوں کو چھوڑتے گئے اور اپنے خود ساختہ طریقے اپنانے لگے‘ اگرچہ رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما گئے تھے کہ میری اُمت کئی گروہوں میں بٹ جائے گی‘ مگر ان میں ایک گروہ ایسا ہو گا جو میرے اور میرے صحابہؓ کے راستے کو ہی اپنائے گا اور وہ گروہ ہی صحیح راہ پر ہو گا۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت نے دین کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے اور دین میں نت نئی رسموں کا اضافہ کر لیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد موجود ہے: ((مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) (متفق علیہ) ”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز داخل کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے“۔ یعنی وہ شخص بھی مردود ہے اور وہ چیز بھی مردود ہے۔ اسی لیے خیر القرون میں دین اسلام بطور ضابطۂ حیات اپنی اصل حالت میں موجود رہا اور جوں جوں مسلمان اسلامی اخلاق چھوڑتے گئے‘ اپنی من پسند چیزیں دین اسلام میں داخل کرتے گئے‘ تاکہ وہ جرائم بھی کرتے رہیں اور ان پر حُبِ نبوی کا زعم بھی رہے‘ حالانکہ مسلمان معاشرے میں جرائم برائے نام ہی ہوں گے‘ دَور دورہ عدل وانصاف اور اخلاقی خوبیوں کا ہو گا۔

آج آپ دیکھیں‘ حُبِ نبوی کی آڑ میں رسول اللہ ﷺ کا میلاد زور وشور سے منایا جا رہا ہے‘ مگر معاشرہ ہے کہ جرائم کا گڑھ بن چکا ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان خالص اسلام پر کاربند ہوتے اور ان اقدام کو کافی جانتے جو حقیقی محبانِ نبوی یعنی صحابہ کرام ؓ نے اپنائے تھے۔ یقیناً وہ اقدام خلوص پر مبنی تھے اور عین رسول اللہ ﷺ کی منشا کے مطابق تھے‘ لہٰذا

معاشرہ امن وسلامتی کا گہوارہ بن گیا اور جرائم اور اخلاقی برائیاں خال خال رہ گئیں۔

میلاد النبی کی آڑ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کیا جا رہا ہے جو سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ جلوس نکالے جا رہے ہیں' جن میں اخلاقی اقدار کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں۔ بڑی بڑی شاہراہوں سے جلوس اس طرح گزرتے ہیں کہ آمد و رفت گھنٹوں معطل رہتی ہے۔ ایسے جلوسوں کی قیادت علمائے کرام ہی کر رہے ہوتے ہیں جو اچھی طرح جانتے ہیں کہ راستوں کا بند کرنا ہرگز جائز نہیں' اس سے عوام الناس کو تکلیف ہوتی ہے' ضرورت مند اور مریض مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں' جبکہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان اُس کو کہا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس کے برعکس تکلیف دہ کسی چیز کو راہ سے ہٹانا بہت بڑی نیکی ہے تو پھر لوگوں کے لیے راہ بند کرنا کتنا بڑا جرم ہوگا' کیا اُسوۂ حسنہ میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے؟

اس جلوس میں شامل لوگ جب ان مساجد کے پاس سے گزرتے ہیں جن کے نمازی اس غیر مسنون جلوس میں شمولیت نہیں کرتے تو وہاں رک کر خوب نعرے بازی کرتے ہیں تاکہ اپنے حُبِ نبی ﷺ کو عیاں کریں' اس طرح وہ ضد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہاں بھی جلوس کے قائدین لوگوں کو یہ تعلیم نہیں دیتے کہ ان مسجدوں کے نمازی بھی مسلمان ہیں۔ انہیں بھی نبی مکرم ﷺ کے ساتھ محبت ہے' ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنا درست نہیں' ان کا اس جلوس میں شامل نہ ہونے کا سبب نبی ﷺ کے ساتھ محبت کا نہ ہونا نہیں بلکہ وہ اس جلوس کو مسنون نہیں سمجھتے اس لیے اس میں شامل نہیں ہوتے۔ جلسے جلوس قائم کر کے جو لوگ محبت رسول کا دعویٰ کرتے ہیں اگر یہ لوگ اس دعوے میں سچے ہیں تو معاشرے سے جرائم ختم ہو جانے چاہئیں' مگر مشاہدہ یہ ہے کہ دن بدن معاشرہ بد سے بدتر جرائم اور گناہوں میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے۔ بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ لوگ میلاد النبی ﷺ منا کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتے ہیں کہ اگر ہم جرائم بھی کریں گے تو میلاد النبی کی خوشی میں کیے ہوئے کام ان کو بے اثر کر دیں گے۔

بازاروں اور گھروں کو طرح طرح سے سجایا جاتا ہے۔ قیمتی وقت' روپیہ اور محنت خرچ کی جاتی ہے۔ اسی طرح مسجدوں کو بھی جھنڈیوں اور قمقموں سے بقعہ نور بنایا جاتا ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ مسجدوں کو سجانے والے تزئین کا کام کر رہے ہوتے ہیں اور مسجد میں نماز پڑھی جا رہی ہوتی ہے۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ حُبِ نبی ﷺ کا یہ کام نماز سے زیادہ اہم ہے۔ گلیوں' بازاروں

اور مسجدوں میں روشنی کے انتظام کے لیے بجلی بھی عموماً ناجائز طور پر لی جاتی ہے۔ کیا یہ طرزِ عمل بھی اسلامی اخلاق پر پورا اترتا ہے؟ کیا جو شخص رسول اللہ ﷺ کی محبت میں سرشار ہوا سے چوری کی اجازت ہے؟ جبکہ اللہ اور رسولؐ کے نزدیک چوری ایسا جرم ہے جس کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک وقت آئے گا جب لوگ وہ کام نہیں کریں گے جن کا حکم دیا گیا ہے اور وہ کام کریں گے جن کا حکم نہیں دیا گیا۔ مسلمان معاشرے کی اکثریت نماز اور نماز باجماعت ادا نہیں کرتی' حالانکہ نماز پنج گانہ کا تاکیدی حکم احادیث سے ثابت اور صحابہ کرام ؓ کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے۔ نماز رکن اسلام ہے۔ یہ آپ ﷺ کا زندگی بھر کا عمل ہے۔ کیا ہمارے معاشرے میں جو رونق عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس میں نظر آتی ہے یہ مسجدوں میں نظر آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو اور تنگی نہ کرو۔ رمضان کی راتوں کی عبادت کی بڑی فضیلت ہے' اسی طرح وضو کرتے ہوئے مسواک کرنا اور پھر نماز ادا کرنا ثواب کو بہت بڑھا دیتا ہے' مگر نہ تراویح کو فرض کا درجہ دیا گیا ہے اور نہ مسواک کو۔ صاف ظاہر ہے' یہ اس لیے ہوا کہ فرض ہونے کی صورت میں یہ کام اُمت کی اکثریت کے لیے دشوار ہوتا۔ لہٰذا آزادی رکھی گئی کہ جس کے لیے نیکی میں آگے بڑھنے کا جذبہ ہو اور ان اعمال کی ادائیگی میں آسانی ہو وہ انہیں اختیار کر لے اور اختیار نہ کرنے والے بھی گناہگار نہ ہوں۔ کیا اس قدر آسانیاں پیدا کرنے والے دین میں لوگوں کو مشکل میں ڈالنا جائز ہو سکتا ہے؟

چونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بلا اختلاف معلوم ہیں اور ان کے پروگرام بھی تفصیل کے ساتھ بتا دیے گئے ہیں اس لیے یہ دونوں عیدیں منانے میں کسی طرح کا کوئی تکلیف دہ عمل نہیں ہوتا اور نہ کوئی شور شرابہ ہوتا ہے۔ یہ دن سکون واطمینان سے گزر جاتے ہیں' جبکہ عید میلاد النبی ﷺ کا پروگرام انسانوں کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ اس میں نہ یکسانیت ہے اور نہ ہی دوسرے لوگوں کا مفاد مدنظر ہے' لہٰذا ان جلوسوں میں بعض جگہ گانے کی طرز پر نغمے' ڈانس اور بھنگڑے کے علاوہ طرح طرح کے خود ساختہ تفریحی پروگرام بنائے جاتے ہیں' جو عام لوگوں کے امن وچین کو غارت کرنے والے ہوتے ہیں۔ کیا اس طرح کے طرزِ عمل کی اسلام جیسے ہمدردی اور سکون والے دین میں گنجائش ہو سکتی ہے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ''بدعت بانجھ نہیں ہوتی' بلکہ یہ نئے نئے بچے جنم دیتی رہتی ہے''۔ چنانچہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ

''عید میلاد النبی ﷺ'' کے جلوسوں اور پروگراموں میں ہر سال نئے نئے اضافے وجود میں آتے رہتے ہیں۔ اس سال ان پروگراموں میں کرسمس کی طرح کیک بھی کاٹے گئے ہیں۔

چھوٹے چھوٹے بچے سڑکوں' بازاروں میں موٹر سائیکلوں' سائیکلوں اور گاڑیوں کو روک کر ان سے چندہ مانگتے ہیں۔ گویا مسلمان بچوں کو بھیک مانگنے پر لگا دیا گیا ہے اور وہ معصوم اس کام کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ ان کو کیا پتا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو کسی سے سوال کرنے سے روکا ہے۔ اگر کسی گھوڑ سوار صحابی کا تازیانہ گر جاتا تو وہ اس بات کو پسند کرتا کہ کسی کو نہ کہے بلکہ خود گھوڑے سے اتر کر اپنا چابک پکڑے۔ دُنیوی علوم میں بلاشبہ آگے بڑھنے کی اجازت ہے۔ تیر اور تلوار کے بعد بندوق اور رائفل' تانگے کے بعد موٹر کار' تیز رفتار گاڑیاں اور پھر ہوائی جہاز ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانا بالکل جائز ہے' کیونکہ یہ دین کی چیزیں نہیں بلکہ دنیوی ایجادات ہیں۔ یہ بدعات نہیں ہیں۔ اسلام سے بہتر کوئی دین نہیں اور نہ اسلام کو مزید بہتر بنانے کی گنجائش ہے۔ اب تو صرف رسول اللہ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ اور خلفائے راشدین ؓ کا طریقہ ہی صواب ہے اور کامل ہے۔

جب کوئی بدعت رواج پاتی ہے تو وہ سنت کو مٹاتی ہے۔ فرض نماز کے بعد مسنون اذکار بتائے گئے ہیں' جبکہ نماز کے فوراً بعد غیر مسنون وظائف اونچی آواز میں پڑھے جائیں گے تو حدیث میں مذکور مسنون اذکار کو یا چھوڑا جائے گا یا ثانوی حیثیت دی جائے گی' حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے اذکار ہی سب سے زیادہ فضیلت والے ہیں' جس وقت کے لیے جو اذکار بتائے گئے ہیں وہی بہترین ہیں۔ اسی طرح جو عیدیں رسول اللہ ﷺ نے منائی ہیں اور منانے کا حکم دیا ہے' نیز منانے کا طریقہ بھی بتایا ہے بس وہ عیدیں کافی ہیں۔ اپنی طرف سے بنائی گئی عید حقیقی اسلام کا حصہ نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ جو حب رسول میں چوٹی پر تھے انہوں نے میلاد النبی ﷺ کے دن کو نہ عید بنایا اور نہ منایا۔

اسلام میں فضول خرچی کو سختی سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں فضول خرچی کرنے والوں کو شیاطین کے بھائی کہا گیا ہے۔ فضول خرچی کیا ہے؟ کسی دینی یا دنیوی ضرورت کے علاوہ خرچ کرنا فضول خرچی ہے۔ مسجدوں' بازاروں اور گھروں میں ضرورت سے زیادہ روشنی فضول خرچی میں آتی ہے۔ ہاں اگر رسول اللہ ﷺ کے وقت خاص خاص موقعوں پر مسجدوں' گھروں اور بازاروں کو سجایا جاتا تھا تو یہ کام مسنون ہوگا' ورنہ بدعت جسے قرونِ اولیٰ میں

اختیار نہیں کیا گیا۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ان جلوسوں کی قیادت کرنے والے علمائے کرام ہی ہیں اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان جلوسوں سے حب نبی ﷺ کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ اس طرح محبت جتا کر رسول اللہ ﷺ کو راضی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کو راضی کرنے والے سارے کام تفصیل کے ساتھ قرآن و حدیث میں مذکور ہیں' اور پھر مسلمانوں کو ایسے کاموں میں الجھانا جو سنت سے ثابت نہیں بلکہ ان کے نقصانات اظہر من الشّمس ہیں' کیسے زیب دیتا ہے کہ علمائے کرام ان کی نکیر کرنے کے بجائے ان کی حوصلہ افزائی کریں اور خود بھی ان میں شریک ہوں؟

اس ضمن میں ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ اکثر بڑے لوگوں کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہوتی۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو کسی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بڑا ہو کر مشہور آدمی بنے گا' لہٰذا اس کی تاریخ پیدائش کو سنجیدگی کے ساتھ نہیں لیا جاتا۔ یہی معاملہ رسول اللہ ﷺ کی تاریخ پیدائش میں پیش آیا۔ کسی کو کیا پتا تھا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ چالیس سال یونہی گزر گئے۔ آپ کے بچپن اور لڑکپن کے حالات عام طور پر زیادہ معلوم نہیں۔ نبوت کے آغاز سے آپ ﷺ کی وفات تک کا لمحہ لمحہ تحریری صورت میں موجود ہے' کیونکہ اب آپ کا تعارف ہو چکا تھا اور ہر چیز جو آپ کے متعلق تھی نوٹ ہوتی جاتی تھی۔ لہٰذا آپ کی تاریخ پیدائش بعض کے نزدیک کچھ ہے بعض کے نزدیک کچھ۔ اکثر علماء اور مؤرخین کے نزدیک آپ کی تاریخ پیدائش ۹ ربیع الاول ہے۔ تاہم یہ بھی حتمی نہیں۔ البتہ آپ کی وفات کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول بتائی جاتی ہے۔ اس لیے آج سے تیس چالیس سال پہلے تک ۱۲ ربیع الاول کو بارہ وفات کہا جاتا تھا اور لوگ اس دن غم کا اظہار کرتے تھے۔ اب اسی ۱۲ تاریخ کو آپ ﷺ کا یومِ پیدائش کہا جاتا ہے اور یہ ایک جشن کی صورت اختیار کر گیا ہے' حالانکہ جیسا کہ ذکر کیا گیا ۱۲ ربیع الاول آپ کی حتمی تاریخ پیدائش نہیں۔ اگر تاریخ پیدائش پر کسی جشن کا اہتمام کرنا شریعت میں مطلوب ہوتا تو خدائی انتظام کے تحت تاریخ پیدائش نہ صرف صحیح بتائی جاتی بلکہ اس دن خوشی منانے کا بھی حکم دیا جاتا' جس طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن نہ صرف حتمی طور پر بتائے گئے ہیں بلکہ ان عیدوں کے پروگرام بھی تفصیل کے ساتھ بتائے گئے ہیں۔ اس کے برعکس عید میلاد النبی ﷺ کے نام پر منائی جانے والی اس عید کی تاریخ حتمی نہیں اور نہ اس کا پروگرام ہی بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوا یہ تقریب شریعت میں مطلوب ہی نہیں۔

اسلام میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہی مستند تقاریب ہیں۔ اس کے علاوہ اور کسی خوشی کے موقع کی یاد منانا مسنون ہوتا تو بدر کی فتح کا دن اور فتح مکہ کا دن منائے جاتے‘ اور اگر غم کی یاد منانا ہوتا تو جنگ اُحد میں اللہ کے رسول ﷺ کے دندانِ مبارک کی شہادت اور طائف میں جو آپ ﷺ پر تشدد کیا گیا‘ یہ دن غم کے انداز میں منائے جاتے‘ لیکن سب جانتے ہیں کہ ان میں کسی دن کو نہ خوشی کی تقریب کا رنگ دیا گیا نہ غمی کا‘ حالانکہ یہ یادگار دن خود رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں پیش آئے تھے اور کئی سال تک یہ تاریخیں آتی رہیں‘ مگر یہ نہ آپ ﷺ کی زندگی میں منائی گئیں اور نہ عہد خلافت راشدہ میں۔

بچوں یا بڑوں کی سالگرہ منانا کبھی مسلمانوں کا معمول نہیں رہا‘ یہ خالصتاً غیر مسلموں کا کام ہے۔ مغربی غیر مسلموں کی غلامی کے دوران جس طرح بہت سے کام ہم نے ان کی نقالی میں اختیار کیے سالگرہ منانا بھی ان میں سے ایک ہے‘ حالانکہ ہمیں دوسری غیر مسلم قوموں کی نقالی سے منع کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے جہاں کافروں کی نقالی سے روکا ہے وہاں یہ بھی فرمایا کہ جو مسلمان ان کی نقالی کرے گا وہ ان ہی میں شمار ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جوں جوں کسی کی عمر کے سال گزرتے ہیں اُس کی طبعی عمر اتنے سال کم ہوتی جاتی ہے‘ گویا گزرنے والے دن اور سال انسان کی مہلت عمر کو گھٹا رہے ہیں‘ نیز اُس کے لیے آخرت کی تیاری کا وقت کم ہو رہا ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ زندگی کو غنیمت جانے اور اسے نیک کاموں میں گزارے‘ پتا نہیں کس وقت بلاوا آجائے اور اپنی غفلت پر پچھتانا پڑے۔ زندوں اور فوت شدگان کے دن منانے کی کوئی مثال قرونِ اولیٰ میں نہیں ملتی‘ نہ صحابہ کے دور میں‘ نہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں۔

یہ حقیقت تو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ ربیع الاول کے کسی دن یا ۱۲ تاریخ کا یہ عمل نہ فرض اور سنت ہے نہ واجب اور مستحب۔ اگر اسے کسی درجہ میں خیر بھی سمجھا جائے تو اس میں شامل نہ ہونے والوں پر نکیر نہیں کی جاسکتی۔ جب فرضوں کے علاوہ نفل نماز پڑھنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں تو اس ’’اضافی نیکی‘‘ کا نہ کرنا کیسے قابل اعتراض اور نفرت کا موجب ہو سکتا ہے؟ اگر عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس میں شامل نہ ہونے والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کو حُبِ نبی ﷺ کے ضمن میں کس درجہ پر رکھا جائے گا‘ جنہوں نے اس قسم کا جلوس نہ منعقد کیا اور نہ اس میں شرکت کی! کیا وہ بھی شافع محشر کی محبت کے اجر سے محروم رہے؟

❁❁❁

بارات اور جہیز کا تصوّر
مفاسد اور حل

حافظ صلاح الدین یوسف☆

بارات کا تصور

شادیوں میں بارات کا رواج کب سے شروع ہوا؟ یعنی پورے خاندان‘ برادری اور دوست احباب کے ایک جمِ غفیر اور انبوہِ کثیر کو لے کر لڑکی والوں کے گھر جانا۔ تاہم یہ بات تو واضح ہے کہ عہدِ رسالت وعہدِ صحابہ وتابعین‘ یعنی دورِ خیر القرون میں اس کا نام ونشان نہیں ملتا۔ صرف گھر کے چند افراد جاتے اور خاموشی اور سادگی کے ساتھ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر نکاح پڑھ کے لڑکی کو اپنے ہمراہ لے آتے۔ شرعاً نکاح میں اعلان ضروری ہے اور یہ اعلان طرفین کے گھر والوں کے سامنے ہو جاتا تھا‘ نیز ولیمے میں مزید لوگوں کے علم میں آ جاتا۔ اب جو بارات کا عام رواج ہے جس کے بغیر شادی کا تصور بھی ممکن نہیں‘ اس کے بے شمار مفاسد ہیں۔ ان میں سے چند بڑے مفاسد کا سطورِ ذیل میں جائزہ لیا جاتا ہے۔

مفاسد ونقصانات

(۱) سارے دوست احباب اور خاندان اور برادری کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنا‘ اِسراف (فضول خرچی) ہے۔ پہلے خود لڑکے والوں کو تمام مہمانوں کے بیٹھنے اور خاطر تواضع کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ قریبی رشتے داروں کے لیے تو یہ انتظام کئی دن کے لیے کرنا پڑتا ہے۔ پھر ان سب کو ساتھ لانے اور لے جانے کے لیے بسوں اور گاڑیوں کا انتظام اس پر مستزاد۔ اس سے بھی پہلے شادی کارڈوں کی اشاعت کا مسئلہ آتا ہے جو پہلے تو سادہ سے کارڈ چھپوا کر اطلاع کا اہتمام کر لیا جاتا تھا‘ اب اس میں بھی پیسے والوں نے بڑی جدتیں اختیار کر لی ہیں اور

☆ مشیر برائے وفاقی شرعی عدالت‘ پاکستان

اتنے اتنے گراں کارڈ چھپنے لگے ہیں کہ ان کو دیکھ کر اس قوم کی فضول خرچی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں زیادہ قریبی رشتے دار خواتین (بہنیں‘ بیٹیاں اور ان کی اولاد) تو کئی کئی دن پہلے آ کر شادی والے گھر میں ڈیرے ڈال لیتی ہیں اور مختلف رسموں (مایوں‘ مہندی وغیرہ) کے علاوہ کئی کئی راتیں مسلسل ڈھولکیاں بجاتیں اور اہلِ محلّہ کی نیندیں خراب کرتی ہیں۔

بارات والے دن سے ایک رات پہلے مہندی کی رسم جس طرح ادا کی جاتی ہے اور اس میں نوجوان لڑکیاں سڑکوں پر جس طرح ناچتی کودتی ہیں‘ کسی بھی غیرت مند مسلمان کے لیے وہ منظر ناقابلِ برداشت ہے۔

پھر نکاح والے دن پورا خاندان اور احباب وغیرہ جمع ہو کر ایک لاؤ لشکر کی صورت میں لڑکی والوں کے گھر جاتے ہیں‘ جن کی ضیافت اور ٹھہراؤ کے لیے کسی شادی ہال یا کسی بڑے مکان کا انتظام لڑکی والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ان کو ایک بہت بڑا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جن کے پاس وسائل کی فراوانی ہوتی ہے‘ ان کے لیے تو یہ بوجھ کوئی اہمیت نہیں رکھتا‘ لیکن جن کے پاس زیادہ وسائل نہیں ہوتے‘ ان کو بھی خواہی نہ خواہی یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے‘ چاہے وہ زیر بار ہو جائیں اور اس بوجھ کے اتارنے میں وہ سالہا سال پریشان رہیں۔

(۲) جب لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے‘ اور اللہ سے بے خوفی کے نتیجے میں یہ تصور بھی عام ہے کہ یہ خوشی کا موقع ہے‘ اس وقت جو چاہیں کر لیں اس کا جواز ہے‘ چنانچہ بڑی بڑی شیطانی حرکتیں کی جاتی ہیں اور باراتی ان سے خوب محظوظ ہوتے ہیں۔ اس طرح سب گناہ میں شریک ہو جاتے ہیں‘ بلکہ اکثر اوقات لڑکی والوں کی طرف سے بھی ان کا مطالبہ اور اصرار ہوتا ہے۔ یوں دونوں خاندان اور ان کے سارے عزیز واقارب اجتماعی طور پر نہایت دھڑلے سے اللہ کی نافرمانی کرتے اور شریعتِ اسلامیہ کی دھجیاں اڑاتے ہیں‘ جب کہ اسلامی تعلیم کی رو سے انفرادی گناہ جو خفیہ اور چھپ کر کیا جائے‘ اگرچہ وہ بھی گناہ ہے‘ لیکن اگر کوئی گناہ کا کام کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کیا جائے تو اس جرم کی شناعت وقباحت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ)) (صحیح البخاری‘ ح:۶۰۶۹)

’’میری اُمت کے سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں‘ سوائے ان گناہ گاروں کے جو کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔‘‘

اجتماعی طور پر کیے جانے والے یہ گناہ جو باراتیوں کے ہجوم میں اور ان کی وجہ سے کیے

جاتے ہیں‘ حسب ذیل ہیں:

☆ بینڈ باجوں کا اہتمام‘ جن کی شیطانی دھنوں سے لوگ محظوظ ہوتے ہیں‘ حتیٰ کہ ان پر نوٹوں کی بارش کی جاتی ہے‘ جس کا نام ’ویل دینا‘ رکھا ہوا ہے۔

☆ آتش بازی‘ جو ’’گھر پھونک‘ تماشہ دیکھ‘‘ کی مصداق ہے‘ ہزاروں روپے اس پر اڑا دیے جاتے ہیں۔

☆ ہوائی فائرنگ‘ جس کی زد میں آئے دن بعض باراتی یا اڑوس پڑوس کے لوگ آجاتے ہیں اور موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

☆ بھنگڑا اور لُڈیاں ڈالنا‘ اس کا رواج بھی بڑھتا جارہا ہے‘ حتیٰ کہ بعض باراتوں میں یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ خواتین بھی سرعام سڑکوں پر اس میں شریک ہو جاتی ہیں۔

☆ پیسے لٹانا‘ پہلے تو ریزگاری کی شکل میں تھوڑی سی رقم ہی اس پر خرچ ہوتی تھی‘ اب یہ رسم نوٹوں تک پہنچ گئی ہے‘ جس سے اس مد پر بھی ہزاروں روپے برباد کر دیے جاتے ہیں۔

☆ قریبی رشتے دار اور دوست احباب دولہا کو نوٹوں والے اور دیگر انواع واقسام کے ہاروں سے لاد دیتے ہیں‘ نیز اسے ’’سلامیاں‘‘ پیش کی جاتی ہیں۔ یہ بھی فضول خرچی ہی کی ایک مد ہے۔

☆ یہ بارات جب لڑکی والوں کے ہاں ہال یا گھر میں پہنچتی ہے تو نوجوان لڑکیاں اور یک سر بے پردہ عورتیں دونوں طرف ہاتھوں میں پھولوں کے تھال پکڑے ہوئے دولہا اور باراتیوں کا استقبال کرتی ہیں اور ان پر گُل پاشی کرتی ہیں۔ یہ بھی بے پردگی کی ایک ایسی بے ہودہ رسم ہے‘ جس کی توقع کسی مسلمان مرد وعورت سے نہیں کی جاسکتی۔

☆ بارات کے ساتھ کرائے کے فلم میکر ہوتے ہیں‘ جو ان ساری خرافات کو بھی اور ہال میں ہونے والی ساری کارروائی کو بھی (نکاح کی تقریب سے لے کر دلہن کی رخصتی تک) فلم بند کرتے ہیں اور ایک ایک سین کو‘ بالخصوص خواتین کے مختلف پوزوں کو اور دلہن کے ایک ایک پوز کو محفوظ کرتے ہیں‘ اور بعد میں دونوں خاندانوں کے گھروں میں بے حیائی کے ان مظاہر کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔

☆ بارات میں خواتین کا بھی ایک ریلا شریک ہوتا ہے جو سب بے پردہ نہایت بھڑکیلے‘ زرق برق‘ حتیٰ کہ عریاں اور نیم عریاں لباس میں ملبوس‘ نہایت بے ہودہ میک اپ اور سولہ سنگھار سے آراستہ اور زیورات میں لدی پھندی ہوتی ہیں۔ گویا وہ شادی کی ایک بابرکت تقریب میں

نہیں‘ بلکہ مقابلۂ حسن یا آرائش وزیبائش اور بے پردگی وبے حیائی کے مقابلے میں شریک ہونے کے لیے جارہی ہیں۔

☆ اب بہت سی جگہوں پر مخلوط اجتماع بھی ہونے لگے ہیں‘ یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ حصے نہیں ہوتے‘ کھانے کا الگ الگ انتظام نہیں ہوتا‘ بلکہ بغیر کسی تفریق اور پردے کے مرد اور عورت کے لیے ایک ہی ہال اور کھانے کی میزیں بھی مشترکہ!! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

☆ آخر میں مراثیوں کا ایک غول آجاتا ہے‘ جو الٹی سیدھی ہنسانے والی باتیں ہانک کر اور بڑھکیں مار کر باراتیوں سے ’ویلیں‘ وصول کرتے ہیں۔

☆ بعض جگہ اور بعض خاندانوں میں مجرے کا رواج ہے‘ یعنی مُخنّث (ہیجڑے) نسوانی لباس اور نسوانی ناز وادا کے ذریعے سے ناچ گا کر باراتیوں کا دل لبھاتے اور ان سے خوب ویلیں وصول کرتے ہیں اور باراتی ان پر بھی نوٹوں کی بارش برساتے ہیں۔

☆ کھانے کے موقع پر بھی اکثر وبیشتر عجیب ہڑبونگ مچتی ہے۔ کھانے پر لوگ اس طرح ٹوٹ کر پڑتے ہیں جیسے مویشیوں کو چارہ کھرلی میں ڈال کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ ’یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ‘ کا مصداق ہوتے ہیں‘ یا جیسے بھوکے گدھ ہوتے ہیں‘ یا جیسے ایسی وحشی اور گنوار قسم کی قوم کے افراد ہوں جن کو کبھی کھانا نصیب ہی نہیں ہوا‘ یا جن کا تہذیب وشائستگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہر شخص اپنی اپنی پلیٹوں کو اس طرح بھر لیتا ہے کہ اکثر تو اس سے کھایا ہی نہیں جاتا اور آدھی آدھی پلیٹیں بھری ہوئی چھوڑ دیتے ہیں‘ پھر وہ سارا کھانا کوڑے میں پھینک دیا جاتا ہے‘ حالاں کہ اس صورتِ حال کے پیش نظر میزبان ضرورت سے زیادہ وافر مقدار میں کھانا تیار کرواتا ہے اور یہ اندیشہ قطعاً نہیں ہوتا کہ کسی کو کھانا نہیں ملے گا۔ بعض دفعہ کسی میز پر بیرے کو دوبارہ کھانا لانے میں ذرا دیر ہو جاتی ہے تو لوگ معمولی سا انتظار کرنے کے بجائے ہوٹنگ شروع کر دیتے ہیں۔ بداخلاقی اور تہذیب وشائستگی سے عاری یہ مظاہر اتنے عام ہیں کہ ہم ان تقریبات میں غیر مسلم اشخاص کو بلانے کی جسارت نہیں کر سکتے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر ہم مسلمانوں کے اخلاق وکردار کے بارے میں کیا تاثر قائم کریں گے کہ یہ اسی مسلم قوم کے وارث ہیں جن کے اَسلاف نے دنیا کو مکارمِ اخلاق اور تہذیب وشائستگی کا درس دیا تھا اور جن کے پیغمبر بھی ’خلق عظیم‘ کے مالک تھے اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے‘ جس کے بہترین نمونے ان کے پیروکاروں (صحابہ کرام وتابعینِ عظام) نے دنیا کے سامنے

پیش کیے اور دُنیائے انسانیت میں معلمِ اخلاق کے نام سے معروف ہوئے۔

یہ سارے مظاہر‘ جن کے کچھ نمونوں کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کی گئی‘ ایک تو سراسر اِسراف وتبذیر میں داخل ہیں‘ جن کے مرتکبین کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ’اِخوان الشیاطین‘ (شیطانوں کے بھائی) قرار دیا ہے۔ دوسرے‘ قدم قدم پر اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہے۔ تیسرے‘ ڈنکے کی چوٹ پر علانیہ بڑے بڑے گناہوں کی جسارت ہے جس کی کسی مسلمان سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ چوتھے‘ بداخلاقی اور بدتہذیبی کے مظاہر ہیں‘ جن کی توقع کسی بھی مہذب اور شائستہ قوم سے نہیں کی جاسکتی‘ چہ جائے کہ اسلام کے ماننے والے ان کا ارتکاب کریں؟

مذکورہ تمام خرافات کے بعد آخر میں فوٹو سیشن ہوتا ہے جس میں مرد وعورت سب اسٹیج پر یا اور کسی نمایاں جگہ پر جمع ہوتے اور باری باری دولہا اور دلہن کے ساتھ فوٹو کھنچواتے ہیں‘ یہ سراسر بے پردہ اور مخلوط اجتماع ہوتا ہے۔

ان تمام مفاسد اور خرابیوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ اور ایک ہی حل ہے کہ باراتوں کا سلسلہ ختم کیا جائے اور دولہا کے ساتھ خاندان کے چند لوگ لڑکی والوں کے گھر جائیں۔ لڑکی والے بھی اپنا پورا خاندان جمع کرنے کے بجائے چند ضروری افراد ہی کو اس تقریب میں شریک کریں اور گھر کے ایک کمرے ہی میں نکاح کر کے حسبِ استطاعت مہمانوں کی ضیافت کر کے اپنی بچی کے ہمراہ ان کو رخصت کر دیں۔

اس طرح اس تقریب کے لیے نہ شادی ہال کی بکنگ کی ضرورت ہوگی‘ نہ مہمانوں کے لیے درجنوں کے حساب سے دیگوں‘ مختلف ڈشوں اور دیگر اشیائے طعام کی۔ نہ عورتوں کی بے پردگی و بے حیائی کا فتنہ اور نہ بینڈ باجوں‘ آتش بازی اور نہ مووی فلموں کی حیا سوز فتنہ انگیزی اور نہ دیگر بے شمار خرابیوں کا ظہور‘ جس کی تفصیل گزشتہ سطور میں پیش کی گئی ہے۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟ تو کیا کوئی ہے ان نصیحتوں پر کان دھرنے والا؟ سادگی اور اسلامی تعلیمات کو اختیار کرنے والا؟ اور لوگوں کی ناراضی اور ’لَوْمَةَ لَائِمٍ‘ (ملامت گروں کی ملامت) سے بے خوف ہو کر صرف اللہ کو راضی کرنے والا؟؟

بارات میں عورتوں کی شرکت کے مزید مفاسد

لڑکی والوں کے گھر جاتے وقت‘ سوائے گھر کی خواتین کے (بیٹے کی ماں اور بہنوں کے) خاندان کی عورتوں اور دوست احباب کی بیگمات کو قطعاً ساتھ نہ لے جایا جائے۔ اس لیے

کہ شادیوں میں عورتوں کی شرکت بھی بے شمار مفاسد کا باعث ہے‘ مثلاً:

☆ عورتوں میں سادگی کا تصور بالکل ختم ہو گیا ہے‘ حالانکہ حکم یہ ہے کہ عورتیں بالکل سادہ لباس میں باپردہ گھر سے باہر نکلیں‘ جب کہ ہوتا یہ ہے کہ خاندان میں سے کسی کی شادی کی اطلاع ملتے ہی گھر کی خواتین مردوں کو مجبور کرتی ہیں کہ گھر میں بچیوں اور بیوی سمیت تمام خواتین کے لیے کم از کم دو دو سوٹ اعلیٰ قسم کے تیار کیے جائیں۔ ایک نکاح والے دن کے لیے اور دوسرا ولیمے والے دن کے لیے‘ کیونکہ خاندان کی ساری عورتوں نے ان کو دیکھنا ہے‘ دونوں دن ایک ہی سوٹ میں اور سادہ لباس میں ملبوس ہونے کی صورت میں ان کی سبکی ہوگی۔ محدود آمدنی والے مرد کے لیے اپنے محدود بجٹ میں اس کے لیے گنجائش نکالنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ مزید برآں لباس اور اس کی سلائی کے علاوہ‘ سادگی کا تصور ختم ہونے کی وجہ سے میک اپ اور سولہ سنگھار کا سامان بھی مہیا کرنا ضروری ہوتا ہے اور آنے جانے کے لیے کرائے کی گاڑی بھی ضروری ہے۔ جو صاحبِ حیثیت گھرانے ہیں‘ ان کی بیگمات کا‘ مذکورہ اخراجات کے علاوہ زیورات کے نئے سیٹ کا بھی مطالبہ ہوتا ہے۔ گھر میں پہلے جو سیٹ بلکہ بعض کے ہاں کئی سیٹ ہوتے ہیں‘ ان کا کہنا ہوتا ہے وہ تو پرانے ہیں یا فلاں کی شادی میں مَیں نے پہنے تھے‘ اب وہی سیٹ اس شادی میں مَیں نے نہیں پہننا ہے۔ مجبوراً شوہر کو یہ مطالبے بھی پورے کرنے پڑتے ہیں۔

☆ اب بہت سی خواتین میک اپ کے لیے بیوٹی پارلروں کی خدمات بھی حاصل کرتی ہیں اور وہاں سے اپنے بال‘ چہرہ اور ہر چیز سیٹ کروا کر شادیوں میں شریک ہوتی ہیں تاکہ وہ لباس اور زیورات ہی میں نہیں بلکہ حسن و جمال اور آرائش و زیبائش میں بھی یکتا اور ممتاز نظر آئیں۔ پھر ان تکلفات وتصنعات میں پردے اور نماز پڑھنے کا اہتمام کیوں کر ممکن ہے؟ چنانچہ ہماری شادیوں میں ان سب کا تصور ختم ہو گیا ہے۔ پردہ کریں گی تو آرائش و زیبائش کے یہ مناظر لوگوں کو کب نظر آئیں گے؟ اور نماز کے لیے وضو کریں گی تو میک اپ کا سارا مصنوعی حسن بہہ جائے گا اور چہرے کی اصل رنگت اور خدوخال نمایاں ہو جائیں گے۔

☆ یہ عورتیں جب شادی والے گھر یا شادی ہال میں اکٹھی ہوتی ہیں تو ان کی نظریں تمام عورتوں کے لباس‘ زیورات اور میک اپ کا جائزہ لیتی ہیں۔ اگر وہ ان سب میں ممتاز ہوتی ہیں تو اللہ کا شکر کرنے کے بجائے شیطان ان کے اندر تفاخر اور تکبر کا احساس اور اپنے سے کم تر عورتوں کی تحقیر کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے‘ بلکہ بعض دفعہ تو سادہ مزاج قسم کی عورتوں کی بابت اس قسم

کے تبصرے بھی ان کی نوک زبان پر آ جاتے ہیں کہ فلاں کو دیکھو! اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے‘ لیکن یتیموں اور فقیروں کے سے لباس میں یہاں آئی ہیں۔ یعنی سادگی جو اللہ کو پسند ہے‘ وہ ان شیطان صفت عورتوں کو بری لگتی ہے۔

☆ یہ عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں تو اکثر و بیشتر ان کی باہم گفتگو کا موضوع ایک دوسرے کی غیبت اور ایک دوسرے پر لعن طعن ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر شاذ و نادر ہی ان کی زبانوں پر آتا ہے۔

☆ مووی فلم میں‘ جو آج کل شادیوں کا‘ بارات میں بھی اور ویسے میں بھی‘ ایک لازمی حصہ بن گیا ہے‘ ان بے پردہ اور فیشن پرست عورتوں کے ایک ایک سین کو محفوظ کر کے ان کے حسن و جمال‘ بناؤ سنگھار اور لباسوں کی تراش خراش بلکہ عریانی و نیم عریانی کو عام کر کے دونوں خاندانوں میں ان کی نمائش کا اہتمام اور ان کا چرچا ہوتا ہے‘ حالانکہ عورتوں کی یہ ساری چیزیں پردہ ہیں‘ کسی غیر مرد کو ان کے دیکھنے دکھانے کی اجازت نہیں ہے۔ عورت کی یہ ساری خوبیاں اور آرائش و زیبائش کی ساری صورتیں صرف خاوند کے لیے جائز اور اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ لیکن بے چارہ مرد تو اپنی بیوی کو اپنے گھر میں بالعموم اس کے برعکس حالت میں دیکھتا ہے‘ کیونکہ عورتیں اپنے خاوند کے لیے اس طرح کی آرائش و زیبائش کا اہتمام نہیں کرتیں‘ جب کہ ان کو اس کے سامنے بناؤ سنگھار کرنے کی نہ صرف اجازت ہے‘ بلکہ حکم ہے۔ لیکن جب ان کو باہر جانے کی ضرورت پیش آتی ہے‘ بالخصوص شادیوں میں‘ تو اس طرح بن سنور کر نکلتی ہیں کہ اللہ کی پناہ! حالاں کہ اس کو حکم یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلے تو باپردہ اور سادگی سے نکلے‘ حتیٰ کہ اس کی خوشبو کی مہک بھی کسی مرد کو محسوس نہ ہو۔ ایک حدیث میں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَیُّمَا امْرَاَۃٍ اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ عَلٰی قَوْمٍ لِیَجِدُوْا مِنْ رِیْحِھَا فَھِیَ زَانِیَۃٌ)) (سنن النسائی‘ ح:۵۱۲۰)

’’جو عورت خوشبو لگا کر باہر نکلتی ہے اور لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ وہ اس کی خوشبو سونگھ لیں تو وہ بدکار ہے۔‘‘

احادیث میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک عورت سیدنا ابوہریرہ ؓ کے پاس سے گزری تو انہوں نے اس سے خوشبو مہکتی ہوئی سونگھی۔ انہوں نے پوچھا: اے اللہ کی بندی! کیا تو مسجد میں آئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا: اور مسجد میں آنے کے لیے تو نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپؓ نے فرمایا: میں نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ ابوالقاسم کو فرماتے

ہوئے سنا ہے:

((لَا تُقْبَلُ صَلَاۃٌ لِامْرَاَۃٍ تَطَیَّبَتْ لِھٰذَا الْمَسْجِدِ حَتّٰی تَرْجِعَ فَتَغْتَسِلَ غُسْلَھَا مِنَ الْجَنَابَۃِ)) (سنن ابی داوٗد‘ ح:۴۱۷۴)

’’اُس عورت کی نماز مقبول نہیں جو خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے جب تک کہ وہ واپس جا کر اس طرح کا غسل نہ کرے جو جنابت کا غسل ہوتا ہے۔‘‘

اس سے اسلامی تعلیمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک عورت کو جب مسجد میں جانے کے لیے بھی خوشبو لگا کر جانے کی اجازت نہیں ہے تو دوسری کسی بھی جگہ معطر اور مزین ہو کر جانے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور جو اس طرح جاتی ہے اس کے دل میں اسلامی تعلیمات کا احترام اور ان پر عمل کرنے کا جذبہ کتنا ہے؟

☆ نکاح کے بعد عورتوں کے اجتماع اور حصے میں ایک اور رسم کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ دولہا میاں اپنے دوستوں کے ہم راہ اس حصے میں جاتے ہیں اور وہاں دولہا دلہن کو ایک ساتھ بٹھا کر تمام خواتین کے سامنے دودھ پلائی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دولہا دلہن سب کے سامنے ایک دوسرے کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہیں۔ اس موقع پر دونوں خاندانوں کی خواتین کے علاوہ دولہا کے قریبی دوست بھی وہاں موجود ہوتے ہیں۔ ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ دین دار خاندانوں میں بھی اس رسم کو معیوب نہیں سمجھا جاتا اور اسے بلاتکلف ادا کیا جاتا ہے‘ حالاں کہ دولہا بھی سوائے اپنی ماں‘ بہنوں‘ پھوپھی‘ خالہ اور ساس کے‘ تمام عورتوں کے لیے غیر محرم ہے۔ دولہا کے ساتھ اس کے دوست بھی اس موقع پر موجود ہوتے ہیں‘ جو دلہن سمیت تمام خواتین کے لیے غیر محرم ہوتے ہیں۔ لیکن سب کے سامنے بے حیائی کی یہ رسم ادا کی جاتی ہے اور ویڈیو والے یہاں بھی یہ تمام مناظر فلمانے کا کام جاری رکھتے ہیں۔

☆ دلہن کی رخصتی کے وقت بھی عجیب عجیب مناظر دکھائی دیتے ہیں‘ حتیٰ کہ بعض خاندانوں میں قرآن پکڑ کر اسے دلہن کے سر پر چھتری کی طرح تان کر قرآن کا اس پر سایہ کیا جاتا ہے اور بزعم خویش اس کے سائے میں اس کو رخصت کیا جاتا ہے۔ گویا قدم قدم پر ہر کام میں اللہ کی نافرمانی اور قرآنی تعلیمات کی مٹی پلید کرنے کے باوجود ہم قرآن سے اس جذباتی تعلق کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں: یا اللہ! دیکھ لے‘ اس سب خود فراموشی اور خدا فراموشی کے بعد بھی بطور تبرک تیرے قرآن کریم ہی کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ قرآن کریم کے ساتھ کتنا بھونڈا

مذاق ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنۡہُ!

کیا روزِ محشر اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے نہیں پوچھے گا کہ کیا قرآن کریم مَیں نے صرف اسی لیے نازل کیا تھا کہ تم اس کو حریر و ریشم کے غلافوں میں لپیٹ کر گلدستۂ طاقِ نسیاں بنا کر رکھ دینا اور اپنے کاروبار میں‘ معاملاتِ زندگی میں اور اپنی معاشرتی تقریبات (شادی بیاہ وغیرہ) میں اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھنا‘ تاہم اس کو کبھی کبھی تبرک کے طور پر یا مردے بخشوانے اور کھانے پر فاتحہ پڑھنے کے لیے استعمال کرلیا کرنا۔ تاکہ تم اللہ کو‘ دنیا کو اور اپنے نفسوں کو یہ دھوکا دیتے رہو کہ تم قرآن کریم کو ماننے والے ہو۔ سچ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے:

﴿یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ ؕ۹﴾ (البقرۃ)

’’یہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکا دیتے ہیں‘ اور ان کو یہ پتا ہی نہیں کہ در اصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔‘‘

☆ شادی کے اختتام پر مرد حضرات اپنی اپنی خواتین کو لینے کے لیے ہال کے گیٹ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ماشاء اللہ سب خواتین چونکہ بے پردہ‘ ہر طرح کے فیشن سے آراستہ‘ نیم عریاں لباسوں میں ملبوس اور الٹے سیدھے میک اپ سے اپنے چہروں اور پلکوں کو بزعم خویش سجایا‘ بلکہ بھڑکایا ہوتا ہے‘ تو کیا باہر نکلتے ہوئے عورتیں مردوں کے سامنے بلاجھجک نہیں گزرتی ہیں؟ اور کیا مرد رنگ و نور کے اس سیلاب سے یا حسن و جمال کے اس جلوہ ہائے بے تاب سے یا اس بکھرتے اور ڈھلکتے قوسِ قزح سے محظوظ نہیں ہوتے؟ کیا بے حیائی و بے پردگی کے ان مناظر اور مظاہروں کی اسلام میں کوئی گنجائش ہے؟ اور جن مسلمان کہلانے والے مردوں نے اپنی بیگمات‘ بیٹیوں اور بہنوں کو اس بے حیائی کا مظہر بننے کی اور ’بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن‘ کا مصداق بننے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے‘ کیا وہ اس کے ذمے دار نہیں ہیں؟ اگر واقعی وہ مسلمان ہیں تو کیا اس بے غیرتی کا ان کے پاس کوئی جواز ہے؟ کیا انہوں نے کبھی سوچا ہے کہ اسلام کی اس طرح مٹی پلید کرنے پر وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ بارگاہِ الٰہی میں کس طرح سرخ رو ہوں گے؟ —— کیا اس جواب سے ان کا چھٹکارا ہو جائے گا کہ بیوی یا بیٹی نہیں مانتی تھی؟ یا ہمارے معاشرے کا رواج ہی یہ تھا کہ شادی بیاہ کے موقع پر شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا تھا؟ یا اگر ہم اپنی خواتین کو سادہ لباس اور باپردہ لے جاتے تو لوگ ہمیں دقیانوسی خیال کرتے

اور یہ پھبتی کستے ع ’’اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو!‘‘ کیا اس قسم کے جوابات سے ہماری چھوٹ ہو جائے گی؟

پس چہ باید کرد؟

بہرحال یہ صورتِ حال نہایت الم ناک ہے اور اہلِ دین کے لیے ایک لمحۂ فکریہ۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سب شادیوں میں تو ایسا نہیں ہوتا‘ بلاشبہ یہ بات صحیح ہے‘ لیکن بات تو چند افراد یا چند شادیوں کی نہیں ہے‘ بلکہ قوم کی حیثیتِ مجموعی کی ہے۔ رسم و رواج اور بے حیائی کا یہ طوفان اور دینی اقدار اور روایات سے یک سر انحراف کا یہ سیلاب اتنا عام اور تیز ہو گیا ہے کہ بڑے بڑے دین دار گھرانے اور خاندان بھی اس کی لپیٹ میں آ رہے ہیں اور دولت اور وسائل کی فراوانی کی وجہ سے ان کے اندر بھی دین کی پابندی کے بجائے شان وشوکت کے اظہار کا جذبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے بہت سی مذکورہ خرابیاں دین داروں کی خواتین میں بھی عام ہوتی جارہی ہیں‘ مثلاً:

(۱) امیرانہ شان و شوکت کا اظہار۔ ان کی خواتین نے ظاہری طور پر تو پردہ کیا ہوتا ہے‘ لیکن پردے کے پیچھے وہی زرق برق لباس اور زیورات کی نمائش‘ میک اپ اور آرائش کی نمائش‘ تفاخر اور برتری کا احساس وغیرہ جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ چیزیں کم تر حیثیت کی خواتین کے اندر احساسِ محرومی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ فضول خرچی کے علاوہ معاشرے کے محروم طبقات کے اندر احساسِ محرومی کے جذبات پیدا کرنا بھی شرعی طور پر ناپسندیدہ ہے۔

(۲) پھر مائیں تو پردے کا کچھ اہتمام کرلیتی ہیں‘ لیکن ان کے ساتھ ان کی نوجوان یا قریب البلوغت بچیاں ہوتی ہیں‘ وہ اکثر بے پردہ بھی ہوتی ہیں اور مذکورہ فیشنی مظاہر سے آراستہ بھی۔

(۳) علاوہ ازیں دین دار خاندانوں کے سارے رشتے دار بھی یا تو دین دار نہیں ہوتے یا دینی اقدار و روایات کے زیادہ پابند نہیں ہوتے۔ نیز ان کے قریبی احباب میں بھی بہت سے لوگ دین سے بہت دور ہوتے ہیں۔ ان کی خواتین بھی جب بارات اور ولیمے میں شرکت کرتی ہیں تو وہ اسی بے پردگی اور اس کے لوازمات کا مظہر ہوتی ہیں‘ جس کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

(۴) بڑی باراتوں اور ان کی ضیافت کے لیے دین داروں کو بھی وسیع پیمانے پر انتظامات کرنے پڑتے ہیں‘ مثلاً شادی ہال کا اور انواع و اقسام کے کھانوں کا انتظام‘ جو فضول خرچی ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

(۵) لڑکی کی شادی ہو یا لڑکے کی، شادی والے گھر ہی میں کئی کئی دن چراغاں ضروری نہیں ہوتا، بلکہ گلیوں اور چوراہوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے، اور دین دار ہوں یا غیر دین دار سب ہی اس کا اہتمام کرتے ہیں، حالاں کہ خوشی کے موقع پر چراغاں کرنا مسلمانوں کا شیوہ کبھی نہیں رہا۔ یہ آتش پرستوں کی رسم ہے جسے ہندوؤں نے اختیار کیا اور ہندوؤں سے میل جول کی وجہ سے یہ مشرکانہ رسم مسلمانوں میں بھی آ گئی ہے۔

یہ چند مفاسد وہ ہیں جو دین دار گھرانوں اور خاندانوں میں بھی عام ہوتے جا رہے ہیں اور ان سے بچنے کا داعیہ اور جذبہ کم زور سے کم زور تر ہوتا جا رہا ہے۔

سخت آپریشن اور دینی غیرت اختیار کرنے کی ضرورت

جب بیماری شدید اور ناسور خطرناک ہو جائے تو بیماری اور ناسور کے خاتمے اور بیمار کی زندگی کو بچانے کے لیے آپریشن ناگزیر ہو جاتا ہے اور یہ سخت ناگوار اقدام مریض سے ہمدردی اور محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔

شادی بیاہ کی رسمیں، جن میں بارات بھی ایک مرحلہ ہے، خطرناک ناسور کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ اس مریض قوم اور اس ناسور بھرے معاشرے کے معالج اور ہمدرد صرف اور صرف اہل دین ہیں، اس لیے معاشرے کے ان پھوڑوں (ناسوروں) کی نشتر زنی انہی کی ذمہ داری ہے۔ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں، لوگوں کی باتوں سے نہ ڈریں، طعن و تشنیع کی پروا نہ کریں اور بغیر لومۃ لائم کے خوف کے اس بیمار قوم کے آپریشن کا آغاز کریں اور اس کے لیے ابتدائی قدم یہ ہے کہ اپنے گھر سے اسے شروع کریں۔ بالخصوص جو ذی حیثیت دینی خاندان اور افراد ہیں، وہ ہمت کریں اور فوری طور پر بارات کا سلسلہ ختم کر دیں۔ بے شک اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے، وہ سینکڑوں نہیں ہزاروں افراد پر مشتمل باراتوں یا ان کی ضیافت کا اہتمام کر سکتے ہیں، لیکن اللہ نے یہ دولت فضول خرچی کے لیے نہیں دی ہے، اس پر تو آپ سے باز پرس کی جا سکتی ہے۔ اس دولت کو صحیح مصارف پر خرچ کریں، جس کی ہمارے معاشرے میں سخت ضرورت ہے۔ اس کی مزید وضاحت، ان شاء اللہ، ہم جہیز پر گفتگو کے ضمن میں کریں گے۔

پاکستان میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مرحوم کی 'تنظیم اسلامی' نے اس کا آغاز کیا ہوا ہے اور اس تنظیم سے وابستہ افراد کی ایک معقول تعداد نے باراتوں کا سلسلہ موقوف کیا ہوا ہے۔ یہ ایک مستحسن اقدام ہے، جسے اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

یہ صرف ایک تنظیم یا اس سے وابستہ افراد کا کام نہیں ہے، یہ دین کا ایک تقاضا ہے، جو سارے اہل دین کے مل کر کرنے کا کام ہے۔ صرف ایک تنظیم کے چند افراد کا یہ کردار قابلِ تعریف ہونے کے باوجود معاشرے میں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ملک میں اہلِ دین کی ایک بہت بڑی تعداد ہے، جو دینی شعور اور اس کی تعلیمات سے بہرہ ور بھی ہے، دینی اقدار اور روایات سے وابستگی کا جذبہ بھی اس کے اندر ہے اور بے دینی و بے حیائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے پریشان اور اس کا رخ موڑنے کی خواہاں بھی ہے، لیکن بے عملی، ایمانی و دینی غیرت وحمیت کے فقدان اور ہوا کے رخ پر ہی، بغیر کسی مزاحمت کے، چلتے جانے کی روش نے اتنی بڑی تعداد کو بے حیثیت بنایا ہوا ہے۔ بنا بریں ضرورت عملی اقدامات کی ہے، ایمانی غیرت وحمیت کے مظاہرے کی ہے، ایک مضبوط تحریک برپا کرنے کی ہے اور تمام دینی جماعتوں سے وابستہ دین دار افراد کے یہ عہد کرنے کی ہے کہ وہ باراتوں میں شریک نہیں ہوں گے اور خود بھی بارات کے بغیر شادی کریں گے، تاکہ مذکورہ اخراجات سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور قوم کے سامنے دین کا ایک عملی، سچا نمونہ پیش کریں ۔

اُٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا!

لڑکی والوں کے گھر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ باراتیوں کے لیے لڑکی والوں کے گھر کھانا کھانا ناجائز ہے۔ اسی طرح لڑکی والوں کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ لڑکے والوں کے ساتھ آنے والے باراتیوں کی مہمان نوازی کریں۔ ایسا سمجھنا صحیح نہیں، یہ وہ غلو ہے جو ناپسندیدہ ہے۔

نکاح کی غرض سے لڑکی والوں کے گھر آئے ہوئے حضرات، کم ہوں یا زیادہ، مہمان ہیں اور اکرامِ ضیف، یعنی مہمانوں کی عزت و تکریم اور حسبِ طاقت وضرورت ان کی خاطر تواضع کا اہتمام نہایت ضروری اور ایمان کا تقاضا ہے۔ البتہ اپنی طاقت سے بڑھ کر محض دکھلاوے کے لیے فضول خرچی کی حد تک اہتمام ناجائز ہے۔ مثال کے طور پر بارات کسی دوسرے شہر سے آئی ہے اور پھر اسے واپس جانا ہے تو ظاہر بات ہے کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد تقریبِ نکاح میں شرکت کر کے خالی پیٹ رہنا اور پھر اسی طرح رخصتی لے کر بغیر کچھ کھائے پیے دوبارہ عازمِ سفر ہو جانا، ناممکن ہے۔ اس قسم کی صورتوں میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے

پینے کا انتظام کرنا اور مہمانوں کا لڑکی والوں کے گھر کھانا دونوں باتیں جائز ہیں‘ شرعاً ان میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اصل بات جو ہے‘ وہ یہ ہے کہ بھاری بھرکم بارات کا یہ تصور لڑکی والوں کے لیے خواہ مخواہ کا ناروا بوجھ ہے‘ جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ معاشرے کا وہ ناجائز رواج ہے جو لڑکی والوں کے لیے ایسا تصور ہے جس نے زمانۂ جاہلیت کی طرح لڑکی کی پیدائش کو غم واندوہ اور ماتم وشیون والی چیز بنا دیا ہے‘ جس کو اسلام نے آ کر مٹایا تھا اور لڑکی کی پیدائش کو بھی اللہ کی نعمت قرار دیا تھا۔ بارات کے ناروا بوجھ اور دیگر رسم ورواج کے اغلال وسلاسل نے ایک اسلامی معاشرے کو دوبارہ قبل از اسلام کے جاہلی معاشرے میں تبدیل کر دیا ہے اور قرآن کریم نے اسلام کی نعمت سے محروم جاہلی معاشرے کی جو یہ کیفیت بیان کی ہے:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾﴾ (النحل)

''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم وغصے سے بھرا ہوتا ہے۔''

یہی کیفیت ہمارے پاک وہند کے مسلمان معاشروں کی ہو گئی ہے‘ اور اس کی وجہ صرف وہی رسوم ورواج ہیں جو شادیوں کا جزو لاینفک بن گئے ہیں‘ جن میں بارات‘ جہیز‘ بری اور زیورات وغیرہ کی وہ غیر ضروری رسمیں ہیں‘ جن کی بیڑیاں خود ہم نے اپنے پیروں میں ڈالی ہوئی ہیں اور جن کو اتار پھینکنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ نیز اس میں دونوں خاندان برابر کے ملوث ہیں‘ لڑکے والے بھی اور لڑکی والے بھی‘ اور اس سے بھی بڑا المیہ یہ کہ اس سے نہ کوئی دین دار خاندان مستثنیٰ ہے اور نہ غیر دین دار خاندان۔ گویا ؎

ہم ہوئے‘ تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

مسلمان معاشروں سے اس جاہلی کیفیت کا خاتمہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک شادی بیاہوں کے ان تکلفات کی بیڑیوں کو کاٹ کر نہیں پھینک دیا جائے گا‘ جن میں ایک بھاری بھرکم بارات کا کروفر کے ساتھ آنا اور پھر شاہانہ انداز میں اس کی ضیافت کرنا شامل ہے۔

مروّجہ جہیز کی شرعی حیثیت

شادی کی رسومات میں ایک رسم جہیز بھی ہے۔ یہ رسم البتہ ایسی ہے کہ اس کی اصل حیثیت

میں اختلاف ہے کہ یہ واقعی دیگر غیر ضروری رسومات کی طرح ایک رسمِ محض ہے یا کسی لحاظ سے اس کا شرعی جواز بھی ہے؟ ہمارے نزدیک اس رسم کے دو پہلو یا دو رخ یا دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت میں اس کا جواز ہے اور دوسری صورتوں میں ناجائز۔ اس کو سمجھنے کے لیے ان صورتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے جن کے پیش نظر جہیز کا اہتمام کیا جاتا ہے‘ یہ حسب ذیل ہیں:

(۱) شان وشوکت یا امارت کا اظہار (۲) نمود ونمائش‘ شہرت اور تفاخر کا اظہار (۳) اسراف وتبذیر کی حد تک اس کا اہتمام (۴) وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ (۵) محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی رسم کے طور پر (۶) عدمِ استطاعت کے باوجود قرض لے کر اس کا اہتمام کرنا (۷) تعاون‘ ہدیہ اور صلہ رحمی کے طور پر

اوّل الذکر ساری چھ کی چھ صورتوں میں یہ ایک محض رسم ہے‘ اس لیے ناجائز ہے اور اس ناجائز صورت میں اکثر وبیشتر مذکورہ ساری ہی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ جہیز کی رسم تمام مذکورہ خرابیوں کا مجموعہ ہے۔ اسے کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس میں شان وشوکت کا اظہار بھی ہوتا ہے‘ نمود ونمائش کا جذبہ بھی۔ اسراف وتبذیر کی حد تک اس کا اہتمام کیا جاتا ہے‘ اسی لیے ہر چیز دینے کی کوشش کی جاتی ہے‘ چاہے ان کی ضرورت ہو یا نہ ہو اور لڑکے والوں کے پاس اتنا غیر ضروری سامان رکھنے کی جگہ بھی ہو یا نہ ہو۔ جس کے پاس استطاعت نہیں ہوتی‘ وہ قرض لے کر‘ حتیٰ کہ قرضِ حسن نہ ملے تو سود پر قرض لے کر‘ یہ رسم پوری کرتا ہے۔ بھرپور جہیز دینے میں وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے۔ بالخصوص اصحابِ حیثیت اسی نیت سے لاکھوں روپے جہیز کی نذر کر دیتے ہیں اور پھر واقعی ان کے بیٹے اپنے صاحبِ جائیداد باپ کی وفات کے بعد اپنی بہنوں کو وراثت سے ان کا شرعی حق نہیں دیتے اور یہی کہتے اور سمجھتے ہیں کہ باپ نے جہیز کی صورت میں اپنی بیٹیوں کو جو دینا تھا دے دیا‘ اب یہ ساری جائیداد صرف بیٹوں کی ہے۔ اس طرح یہ رسم ہندوؤں کی نقل ہے۔ ہندو مذہب کے ہاں وراثت میں لڑکیوں کا حصہ نہیں ہے‘ اس لیے وہ شادی کے موقع پر لڑکی کو ’دان‘ (یا دہیج) دے دیتے ہیں۔

یہی دان اور دہیج (دہیز) کا تصور (وراثت سے محرومی کا بدل) مسلمانوں میں جہیز کے نام سے اختیار کر لیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔ اگر جہیز میں مذکورہ تصورات کارفرما ہوں تو جہیز کی یہ رسم سراسر ناجائز ہے‘ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس

لیے اس کے خلاف بھی جہاد ضروری ہے‘ کیونکہ جہیز دینے والے بالعموم ایسے ہی تصورات کے تحت جہیز دیتے اور اس رسم کو بھی پورا کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں۔

جہیز کی جائز صورت

البتہ جہیز کی ایک جائز صورت بھی ہے‘ جس کا ذکر ساتویں شکل میں بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے تعاون‘ صلۂ رحمی اور ہدیے (تحفے‘ عطیے) کے طور پر اپنی لڑکی کو شادی کے موقع پر کچھ دینا۔

اسلام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی بڑی فضیلت ہے‘ اسی طرح ایک دوسرے کو ہدیہ‘ تحفہ دینے کی بھی ترغیب ہے۔ اور اگر تعاون یا ہدیے کا معاملہ اپنے قریبی رشتہ داروں سے کیا جائے تو اس کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے اور اس کی بھی بڑی تاکید ہے اور اس کو دگنے اجر کا باعث بتلایا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اپنی بچی کو‘ اگر وہ واقعی ضرورت مند ہے یا بطور تحفہ‘ کچھ دینا بالکل جائز ہے‘ بلکہ مستحسن اور پسندیدہ ہے‘ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ:

☆ بچی ایسے گھرانے میں جا رہی ہے‘ جہاں واقعی اس کو گھریلو معاملات میں کچھ چیزوں کی یا آج کل کی نوایجاد تمدنی سہولتوں کی ضرورت ہے۔

☆ والدین اپنی طاقت کے مطابق اس کی ضروریات پوری کریں۔

☆ نمائش اور رسم کے طور پر ایسا نہ کریں۔

☆ ضروریاتِ زندگی کی اس فراہمی میں شادی سے پہلے یا شادی کے موقع پر ضروریات کا جائزہ لیے بغیر تعاون کرنا جائز نہیں ہوگا‘ بلکہ شادی کے بعد دیکھا جائے کہ اس گھر میں کن چیزوں کی ضرورت ہے اور لڑکے والے ان کو مہیا کرنے سے واقعی قاصر ہیں‘ تو ان کو وہ اشیاء مہیا کرنے میں حسبِ استطاعت ان سے تعاون کیا جائے۔ لیکن حسب ذیل شرائط کے ساتھ:

☆ اس تعاون کو وراثت کا بدل سمجھ کر اسے وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ نہ ہو۔

☆ بیک وقت تعاون کی استطاعت نہ ہو تو مختلف اوقات میں تعاون کر دیا جائے۔

اگر بچی کو گھریلو اشیائے ضرورت کی ضرورت نہ ہو اور والدین صاحبِ استطاعت ہوں اور وہ بچی کو تحفہ دینا چاہتے ہوں تو داماد کی مالی پوزیشن کے مطابق اس کو ایسا تحفہ دیں جس سے اس کا مستقبل بہتر ہو سکے‘ مثلاً: اُس کے پاس سرمائے کی کمی ہے‘ جس کی وجہ سے وہ کاروباری مشکلات کا شکار ہے تو اس کو نقد رقم کی صورت میں ہدیہ دے دیا جائے تاکہ وہ اپنا کاروبار بہتر کر سکے‘ یا اس کو پلاٹ دے دیا جائے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنا مکان بنا سکے۔ اگر اس کے پاس

مکان نہیں ہے یا وہ مشترکہ خاندان میں رہائش پذیر ہے اور وہاں جگہ کی تنگی ہے‘ ان دونوں صورتوں میں یہ پلاٹ یا گھر کی تعمیر یا کاروبار میں مالی تعاون میاں بیوی (بچی اور داماد) کے لیے ایسا بہترین تحفہ ہے جو صرف انہی کے نہیں بلکہ آئندہ نسل کے بھی کام آئے گا۔ نیز یہ تعاون کی ایسی صورت ہے جس میں رسم‘ نمود و نمائش یا بلاضرورت زیر بار ہونے کی کارفرمائی نہیں‘ بلکہ خیر خواہی اور تعاون کا صحیح جذبہ ہے جو عنداللہ نہایت پسندیدہ ہے۔[1]

یہ جہیز نہیں بلکہ صلہ رحمی‘ تعاون اور خیر خواہی ہے

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اس صورت کو جہیز نہیں کہنا چاہیے‘ بلکہ یہ تعاون اور صلہ رحمی یا ہدیہ ہے۔ جہیز کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ احادیث میں اس مروّجہ جہیز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی متعدد ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ جہیز لے کر نہیں آئی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی چار بیٹیوں میں سے کسی ایک کو بھی‘ قبل از نبوت اور بعد از نبوت‘ جہیز نہیں دیا۔ صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو تین چار چیزیں بطور جہیز دی تھیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے‘ اس کا کوئی تعلق مروّجہ رسم جہیز سے نہیں ہے۔ اس کی وضاحت ابھی ہم کریں گے۔

عربی زبان میں تجہیز (جہیز بنانے) کا مفہوم

جہیز‘ عربی زبان کے لفظ ’جَهَاز‘ (سامان) سے مشتق ہے[2]۔ ’جَهَّزَ‘ (باب تفعیل)

---

(۱) اس موقع پر اگر آپ اس کو تعاون‘ صلہ رحمی اور ہدیہ کا نام بھی دیں گے تب بھی یہ جہیز ہی کی صورت ہوگی‘ جو ہر شخص اپنی بساط کے مطابق دے کر اسے تحفہ قرار دے گا۔ یہاں پر تو اصل معاملہ مرد کے ذمے ہے کہ وہ گھر بسانے کا سارا بندوبست کرے۔ عورت کو تو شوہر سے حق مہر وصول کرنا ہے نہ کہ والدین کی طرف سے ملنے والے ہدیوں اور تحفوں کی صورت میں اس رسم کو جاری رکھنے کی سند دینا ہے۔ نکاح اور اس کے متعلقات کی ساری ذمہ داری مرد کی ہے نہ کہ لڑکی کے والدین کی۔ اس میں تھوڑی گنجائش بھی پھر حدود میں نہیں رہ سکتی‘ اس لیے اس موقع پر ان ہدیوں اور تحفوں کی بھی نفی کرنی پڑے گی کہ یہ بھی غیر مسنون ہیں۔ اور دین میں سنتِ رسول ﷺ کا التزام ہی ان رسموں سے بچا سکتا ہے نہ کہ محض تلقین۔ (ادارۂ میثاق)

(۲) محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے بقول یہ دراصل ہندی کا لفظ دہیز (دیج) ہے‘ جسے عربی کا جامہ پہنا لیا گیا ہے۔ (ادارۂ میثاق)

کے معنی ہوں گے: اُس نے سامان تیار کیا۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے: ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ﴾ (یوسف:۷۰) ''جب (یوسف علیہ السلام کے کارندوں نے) برادرانِ یوسف کا (واپسی کا) سامان (سفر) تیار کر دیا''۔ ہر موقع کے لیے الگ الگ سامان ہوتا ہے' اس کے حساب سے اس کے ساتھ یہ لفظ لگ کر اپنا مفہوم ادا کرتا ہے۔ جیسے 'جَهَاز العُرُوس' (دلہن کو تیار کرنا) 'جَهَاز المَيّت' (میت کا سامان تیار کرنا) 'جَهَاز السَّفَر' (سفر کا سامان تیار کرنا) 'جَهَاز الغازی' (غازی کو سامان' اسلحہ وغیرہ دینا)۔

احادیث میں یہ لفظ دو موقعوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ایک غازی کے لیے' اس کو میدانِ کارزار میں کام آنے والی اشیاء (خود' زرہ' اسلحہ وغیرہ) مہیا کر کے تیار کرنا۔ دوسرا' دلہن کو شبِ زفاف کے لیے تیار کر کے' یعنی اس کو عمدہ لباس وغیرہ سے آراستہ کر کے دولھا کے پاس بھیجنا۔ چنانچہ احادیث میں تین خواتین کا ذکر اس ضمن میں ملتا ہے۔ ایک سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا' دوسرا سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اور تیسرا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا۔

(۱) جنگ خیبر میں واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا تھا' اس حدیث میں آتا ہے:

((جَهَّزَتْهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ فَأَهْدَتْهَا لَهُ مِنَ اللَّيْلِ)) (صحیح البخاری' ح ۳۷۱)

''سیدہ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو تیار کیا اور ان کو شب باشی کے لیے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔''

(۲) نجاشی (شاہِ حبشہ) کی طرف سے سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو' ان کا نکاح بذریعہ وکالت نبی ﷺ کے ساتھ کر کے' نبی ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ اس حدیث میں آتا ہے:

((ثُمَّ جَهَّزَهَا مِنْ عِنْدِهِ وَبَعَثَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَجَهَازُهَا كُلٌّ مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِي)) (مسند احمد: ج۶' ص ۴۲۷)

''پھر نجاشی نے سیدہ اُمّ حبیبہ کو اپنے پاس سے تیار کیا اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا۔ اور ان کی ساری تیاری نجاشی کی طرف سے تھی۔''

ان دونوں احادیث میں ''تجہیز'' دلہن سازی' یعنی دلہن کو عروسی لباس اور آرائش و زیبائش سے آراستہ کرنے کے معنی میں ہے' 'اثاث البیت' یعنی گھریلو سامان دینے کے معنی

میں نہیں ہے' جس کو آج کل جہیز کا نام دے دیا گیا ہے' حالاں کہ ان احادیث میں جہیز کا لفظ ان معنوں میں ہرگز استعمال نہیں ہوا ہے۔ مسند احمد میں مزید 'جَهَاز' کا لفظ استعمال ہوا ہے' اس کا مطلب یہاں حق مہر کی ادائیگی ہے جو کہ سامانِ آرائش و زیبائش کے علاوہ مکمل طور پر نجاشی ہی کی طرف سے ادا کیا گیا تھا' اس لیے 'جَهَازُهَا كُلٌّ مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ' کہا گیا ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز

رہا تیسرا واقعہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کا جس سے جہیز کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے' اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس واقعے پر غور و خوض کرنے اور اس سے متعلقہ روایات کے مختلف طرق کا جائزہ لینے سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اس کا تعلق بھی 'اثاث البیت' سے نہیں ہے بلکہ یہ بھی دراصل دلہن کو پہلی مرتبہ دولہا کے پاس بھیجنے ہی کی تیاری تھی اور اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو چیزیں دی تھیں' ان کا تعلق رات کو سونے کے لیے کام آنے والی چیزوں سے تھا' جیسے چادر' تکیہ' پانی کی مشک' جیسے سنن نسائی میں ہے:

((جَهَّزَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاطِمَةَ فِي خَمِيلٍ وَّ قِرْبَةٍ وَ وِسَادَةٍ حَشْوُهَا إِذْخِرٌ)) (سنن النسائی: ح ۳۳۸۶)

''رسول اللہ ﷺ نے (پہلے پہل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنے کے لیے) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تیار کیا' ایک چادر' مشک اور تکیہ کے ساتھ' جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی۔''

اس روایت میں 'جَهَّزَ' اور 'جَهَاز' کے معنی وہی ہیں جو اس سے پہلے سیدہ صفیہ اور سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا والی دونوں حدیثوں میں اس لفظ کے گزرے ہیں' یعنی دلہن کو شبِ زفاف کے لیے تیار کر کے دولہا کے پاس پہنچانا۔ چنانچہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے متعلق متذکرہ بالا روایت — جس میں آتا ہے کہ 'جَهَّزَتْهَا أُمُّ سُلَيْمٍ فَأَهْدَتْهَا إِلَيْهِ مِنَ اللَّيْلِ' — کو امام نسائی 'بَابُ الْبِنَاءِ فِي السَّفَرِ' میں لائے ہیں۔ 'بناء' کا لفظ شبِ زفاف ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام نسائی کی اس تبویب اور اس کے تحت 'جَهَّزَتْهَا' والی روایت درج کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ 'جَهَّزَ' کے معنی دلہن سازی کے ہیں' نہ کہ سامانِ جہیز کے۔

ہماری بیان کردہ وضاحت کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلق روایت سنن ابن ماجہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا علی و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور وہ دونوں ایک چادر (خمیل) میں تھے۔

قَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَهَّزَهُمَا بِهَا' وَوِسَادَةٍ مَحْشُوَّةٍ إِذْخَرًا وَقِرْبَةٍ

''اس چادر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو تیار کیا تھا اور ایک تکیہ اذخر گھاس کا بھرا ہوا' اور ایک مشک بھی عنایت کی تھی۔''

امام ابن ماجہ نے اس روایت کو 'بَابُ ضِجَاعِ آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ' کے تحت بیان کیا ہے' یعنی آلِ محمد (ﷺ کے گھرانے) کا بستر۔

امام ابن ماجہ کی اس تبویب سے بھی واضح ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلقہ روایت میں جہیز کے معنی شب باشی کے سامان یا شب باشی کے لیے تیار کرنا ہیں' نہ کہ مروّجہ سامانِ جہیز کے۔

احادیث میں ان تین واقعات کے علاوہ (سوائے حدیثِ جہاد: مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا کے) تجهیز کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے' بالخصوص شادی بیاہ کے مسائل میں۔ اور ان تینوں واقعات میں جس سیاق میں یہ لفظ آیا ہے' اس کا وہی مفہوم ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے مروجہ جہیز مراد لینا یک سر بے جواز اور خلافِ واقعہ ہے۔ بنا بریں پورے یقین اور قطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مروّجہ جہیز کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ستم ظریفی کی انتہا

اور یہ تو ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ لڑکی والوں سے اپنی پسند اور خواہش کے مطابق جہیز کا مطالبہ کیا جائے' حالانکہ لڑکی کے ماں باپ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ وہ بچی کو ناز و نعمت میں پال کے اور اسے تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے اللہ کے حکم کی وجہ سے اپنے دل کے ٹکڑے کو دوسروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس احسان مندی کے بجائے ان سے مطالبات کے ذریعے سے احسان فراموشی کا اظہار کیا جاتا ہے' جبکہ اللہ کا حکم احسان کے بدلے احسان کرنے کا ہے۔ ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ نہ کہ محسن کے لیے عرصۂ حیات تنگ کرنے کا یا بھاری بھر کم جہیز نہ لانے پر لڑکی کا جینا دوبھر کر دینے کا حتیٰ کہ اس کو خودکشی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے مرد کو 'قوّام' (عورت کا محافظ' نگران اور بالادست) بنایا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ عورت کی مالی ضروریات پوری کرتا ہے۔ مرد اپنے اس مقام و مرتبہ کو فراموش کر کے عورت سے لینے کا مطالبہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے سببِ فضیلت 'وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ' معاشی و مالی کفالت کی ذمے داری کے بھی خلاف ہے اور اس کے

شیوۂ مردانگی کے بھی منافی۔ بہرحال جس حیثیت سے بھی اس رسم کو دیکھا جائے' اس کی شناعت و قباحت واضح ہو جاتی ہے۔ (۳)

(۳) شادی بیاہ کی رسومات کے بارے میں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان میں اضافے عموماً دولت مند کرتے ہیں اور جواز یہ ہوتا ہے کہ اس میں کیا حرج ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو رسم بھی کسی معاشرے میں رواج پا جائے وہ پھر ہر شخص کی ضرورت بن جاتی ہے اور غریبوں کے لیے پھر یہ رسومات وبال جان بن جاتی ہیں۔ ان رسومات پر کوئی حرمت' حلت کا قانون نہیں لگتا کہ اسے حرام یا حلال قرار دیا جائے' چنانچہ اس معاملے میں تو صرف ایک ہی پیمانہ ہے' اگر اسے اختیار کیا جائے تو نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ پر عمل پیرا رہا جا سکتا ہے' وگرنہ اور کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ جو رسم آپ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو وہ اختیار کی جائے اور جو ثابت نہ ہو اسے کاٹ پھینکا جائے۔ اس کے علاوہ وعظ تو کہہ سکتے ہیں لیکن کسی کو روکنے کا کوئی اختیار بن نہیں پائے گا۔ مثلاً یہی جہیز اور بارات کا تصور ہے۔ آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اس میں ایک حد تک رہا جائے' لیکن یہ حد ہر شخص کے لیے علیحدہ علیحدہ ہوگی۔ اصل میں جہیز کی جو رسم ہندوستان میں رائج ہے یہ خالص ہندوانہ رسم ہے اور ہندوؤں ہی سے لی گئی ہے۔ جہیز کی رسم ہی کا شاخسانہ بارات ہے' کیونکہ اس مال غنیمت کو لانے کے لیے حفاظتی دستہ کی ضرورت تھی' جس نے بارات کی شکل اختیار کی۔ اور پھر جب لوگوں کو لے کر جائیں گے تو وہاں کھانے کا انتظام بھی کرنا پڑے گا۔ اس سے یہ رواج جاری ہوا۔ وگرنہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ رہا کسی کا اپنی بچی کو دینا دلانا تو اگر اس موقع کے ساتھ اسے جوڑیں گے تو یہی رسم بنے گی اور پھر اس میں تحدید کا کوئی پیمانہ کارگر نہ ہوگا۔ ویسے بھی شاید آپ کے علم میں نہ ہو کہ پاکستان میں بھی یہ رسم صرف ان قوموں میں ہے جو ہندو سے مسلمان ہوئیں اور ہندو تہذیب سے متاثر ہیں' وگرنہ یہ جہیز کی لعنت نہ بلوچوں میں ہے' نہ سندھیوں میں اور نہ افغانوں میں' کیونکہ دراصل یہ ہندو قانون کا ہی اظہار ہے کہ ہندو قانون میں لڑکی کا وراثت میں حصہ نہیں ہے' اس لیے وہ اسے کچھ دے دلا کر رخصت کر دیتے ہیں کہ اب اس کا پیچھے کوئی حق نہیں ہے اور اکثر و بیشتر ہمارے گاؤں اور زمینداروں کے ہاں بھی یہ وراثت ہی کا بدل قرار پاتا ہے' کوئی ہدیہ' تحفہ نہیں گردانا جاتا۔ یہی تو وہ اِصر و اَغلال ہیں جو معاشروں میں گردنوں میں ڈال دیے جاتے ہیں اور یہی رسمیں پھر سالگرہ (Birthday) سے بڑھ کر میلاد اور برسی تک اور تیجا سے لے کر چالیسویں تک پہنچا دیتی ہیں۔ یہاں اگر صرف پیمانہ سنتِ رسولؐ و سنتِ صحابہؓ تک رکھیں گے تو معاملہ صحیح رہے گا' وگرنہ کوئی اور پیمانہ کارگر نہ ہوگا۔ (حاشیہ از رحمت اللہ بٹر صاحب)

اسلام کا تصورِ حیا اور- ویلنٹائن ڈے

تحریر: ڈاکٹر گوہر مشتاق (امریکہ)

آج مسلمانوں میں جو غیر اسلامی رسومات پھیل رہی ہیں اُن میں سب سے قوی محرک مغرب کی ذہنی غلامی ہے جو مسلمانوں کے دل و دماغ پر مسلط ہے۔ البرٹ میمی (Albert Memmi) جو تونس کا ایک یہودی مصنف ہے نے اپنی کتاب The Colonizer & the Colonized (غالب قوم اور مغلوب قوم) (مطبوعہ امریکہ 1991ء) میں انتہائی گہرائی میں اُن نفسیاتی عوامل کا ذکر کیا ہے جو ایک مغلوب قوم پر احساس کمتری کی وجہ سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ مغلوب قوم کے باشندوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ چونکہ وہ غالب قوم سے ذہنی طور پر مرعوب ہوتے ہیں اور اُس پر رشک بھی کرتے ہیں اس لیے انہیں اپنے آقاؤں کی نقل کرنے میں ذہنی تسکین ملتی ہے، کیونکہ اُنہیں اپنے آقاؤں کے اندر قوت اور اقتدار نظر آ رہا ہوتا ہے۔

آج پاکستان کے مسلمان نوجوانوں میں جو غیر اسلامی (بلکہ بُت پرستانہ) رسومات پائی جاتی ہیں اُن میں سے ایک رسم 14 فروری کو ویلنٹائن ڈے (Valentine's Day) منانا ہے۔ یہ بیماری پاکستان میں پچھلے چند سالوں میں طاعون اور ہیضے کی وبا (epidemic) کی سی تیزی سے پھیلی ہے۔ ٹی وی ڈراموں اور ٹاک شوز، میوزک شوز، کیبل ڈش، انٹرنیٹ گپ شپ (chatting) اور سیل فونوں کی بدولت ویلنٹائن ڈے کی بیماری نے پاکستان کے بڑے شہروں سے نکل کر قصبوں اور دیہاتوں تک کے نوجوان لڑکوں لڑکیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، لیکن یہاں پر میڈیا اور حکمران طبقے میں منافقین کی موجودگی کی وجہ سے اِس تہوار کو بھرپور طور پر حکومت اور میڈیا کی سرپرستی دی جا رہی ہے۔ جونہی فروری کا مہینہ شروع ہوتا ہے پاکستان کے بازار اور منڈیاں اسی یومِ محبت کے سرخ رنگ اور دل کی علامت

والے تحائف سے مزین ہو جاتے ہیں۔

افسوس اس بات پر ہے کہ 14 فروری کو صرف ہوٹل اور نائب کلب ہی نہیں بلکہ گلی گلی کے کارنر پر اور چوراہوں میں آزادی کے نام پر آزادی کی تمام حدیں پار کی جاتی ہیں۔ ہر دوسرے گھر سے شرم و حیا کا جنازہ نکالا جاتا ہے۔ مسلمان اِس رسوائے زمانہ دن کو یومِ محبت کے طور پر مغرب کی اندھی تقلید میں مناتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ کس رسول ﷺ کی امت سے ہیں!

ویلنٹائن ڈے کی تاریخ

عیسائیوں کے اکثر تہواروں کی طرح ویلنٹائن ڈے کی جڑیں بھی بت پرست رومیوں تک پہنچتی ہیں۔ ویلنٹائن ڈے کو 400 سال قبل مسیح رومیوں نے رومن دیوتا لیوپرکس (Lupercus) کے اعزاز میں ایک بت پرست رسم (pagan ritual) کے طور پر شروع کیا۔ قدیم روما میں یہ تہوار نوجوان لڑکوں لڑکیوں کے لیے منایا جاتا تھا۔ اس تہوار کی سب سے پُرکشش چیز محبت کی لاٹری تھی۔ اِس تہوار میں کنواری لڑکیاں محبت کے خطوط لکھ کر ایک بہت بڑے گلدان میں ڈال دیتی تھیں۔ اس کے بعد محبت کی اِس لاٹری میں سے رُوم کے نوجوان لڑکے ان لڑکیوں کا انتخاب کرتے جن کے نام کا خط لاٹری میں ان کے ہاتھ آیا ہوتا۔ پھر وہ نوجوان لڑکے لڑکیاں کورٹ شپ (courtship) کرتے، یعنی شادی سے پہلے آپس میں ہم آہنگی (understanding) پیدا کرنے کے لیے ملاقاتیں کرتے۔ Webster`s Family Encyclopedia (مطبوعہ امریکہ 1987ء) کے مطابق عیسائیت کے مذہبی رہنماؤں نے اِس مشہور بت پرست رسم کو ختم کرنے کی بجائے اسے سینٹ ویلنٹائن ڈے کے تہوار میں بدل دیا۔ دراصل جیسا کہ ہمیشہ سے عیسائیت کا ریکارڈ رہا ہے، عیسائی مذہبی رہنماؤں نے ایک دیوتا (Lupercus) کے اعزاز میں ہونے والی اِس رسم کو روکنے کی ناکام کوشش کی۔ انھوں نے پہلے عورتوں کے نام کی لاٹری نکالنے کی رسم کی بجائے عیسائی اولیاء (saints) کے ناموں کی لاٹری شروع کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آنے والے سال میں نوجوان مرد حضرات اُن اولیاء کی زندگیوں کا اتباع کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن عیسائیت کو صرف اتنی کامیابی ہوئی کہ انھوں نے لیوپرکس دیوتا کے نام پر ہونے والی لیوپرکیلیا (Lupercalia) کی رسم کا نام بدل کر "سینٹ ویلنٹائن ڈے" رکھ دیا۔ یہ کام 496ء میں پادری گیلیسئیس (Pope Gelesius) نے کسی عیسائی راہب سینٹ ویلنٹائن کے نام پر اِس رسم کا نام رکھ کر انجام دیا۔ ویلنٹائن ڈے کی ابتدا سے متعلق قصے تو بہت سے مشہور ہیں، لیکن زیادہ مشہور قصے کے مطابق ایک ویلنٹائن نامی پادری کو بادشاہ نے عیسائیت قبول کرنے پر جیل بھجوا دیا۔ وہاں پر اُس کو جیلر کی بیٹی سے عشق ہو گیا۔ بادشاہ کو اِس کا علم ہوا تو اُس نے پادری

کو سزائے موت دے دی۔ تاہم Webster's Family Encyclopedia (مطبوعہ امریکہ 1987ء) کے مقالہ نگار کے مطابق سینٹ ویلنٹائن (جس کی وفات 269ء عیسوی میں ہوئی) کی زندگی کا اس تہوار یا جو کچھ اس تہوار میں کیا جاتا ہے، اس سے کوئی تعلق نہیں۔ وَاللّٰہُ اَعلم!

پوری دنیا میں جہاں بھی ویلنٹائن ڈے منایا جاتا ہے وہاں پر سرمایہ دارانہ نظام کے مفادات اور خفیہ ہاتھ بھی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ امریکہ میں 1840ء میں ایستھر Esther ہالینڈ (Holland) نامی ایک خاتون نے قومی پیمانے پر ویلنٹائن ڈے کارڈ بیچنے شروع کیے اور 5000 ڈالر کے کارڈ فروخت کیے جو اُس دور میں بہت بڑی رقم تھی۔ اُس وقت سے ویلنٹائن ڈے کی مصنوعات بنانے کی صنعت مسلسل ترقی کر رہی ہے اور نوجوان لڑکوں لڑکیوں کے سفلی جذبات سے کھیل رہی ہے۔ بعد میں ویلنٹائن ڈے کی صنعت میں کارڈ بنانے والوں کے علاوہ سرخ پھول بیچنے والے، چاکلیٹ فروخت کرنے والے اور ریسٹورنٹس کے مالکان بھی شامل ہو گئے اور بہتی گنگا میں سب ہاتھ دھونے لگ گئے۔

ویلنٹائن ڈے (یومِ محبت) کی شرعی حیثیت

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں غیر مسلموں کی نقالی کرنے سے سختی سے منع کیا ہے، حدیث میں آتا ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (سنن ابی داود)

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔''

(اس حدیث کو شیخ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب ''صحیح الجامع'' (جلد 2/ ح:1058) میں صحیح قرار دیا ہے۔)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث کفار کی ان کے اقوال وافعال، لباس (پہناوے)، تہواروں، عبادات اور اُن کے علاوہ دیگر ایسے امور میں جسے ہماری شریعت نے ہمارے لیے مشروع وجائز نہیں قرار دیا ہے، مشابہت اختیار کرنے پر وعید، دھمکی اور سخت ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۲۲۸)

نیز اس تہوار کے منانے سے بے حیائی، فحش کاری اور بدکاری پھیلتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ (النور: ۱۹)

''جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور

آخرت میں دردناک عذاب ہیں۔''

اس آیت میں ہر اُس شخص کے لیے سخت دھمکی موجود ہے جو اس بات کا خواہش مند ہے کہ مسلم معاشرے میں بے حیائی پھیلے، اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ ویلنٹائن ڈے ایک ایسا تہوار ہے کہ جس کو منانے اور معاشرے میں عام کرنے سے روحانیت کی فضا نہیں پھیلتی بلکہ بے حیائی کی فضا ہی پھیلتی ہے۔ جو شخص معمولی ذہانت رکھتا ہو وہ بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ ''یومِ محبت'' منانے سے معاشرے میں کیا پیغام پھیلتا ہے؟ ذیل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور چند علمائے اسلام کے غیر مسلموں کے تہواروں سے متعلق فتاویٰ پیش کیے جاتے ہیں:

حضرت عمر فاروقؓ

امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عمر فاروقؓ کا غیر مسلموں کے تہواروں سے متعلق ایک اثر نقل کیا ہے۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

''عجمیوں کی زبان نہ سیکھو، مشرکوں کے تہوار کے دن اُن کے گرجا گھروں میں نہ داخل ہو، کیونکہ اُن پر (اللہ کی) ناراضگی نازل ہوتی ہے۔'' (سنن البیہقی ۹/ ۳۹۲)

نیز حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:

''اللہ کے دشمنوں سے اُن کے تہوار میں اجتناب کرو۔'' (سنن البیہقی ۹/ ۳۹۲)

امام ابوحنیفہؒ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے غیر مسلموں کے تہواروں سے متعلق درج ذیل فتویٰ دیا تھا:

''اگر کسی مسلمان نے کسی مجوسی کو نوروز (ان کے مذہبی تہوار) کے موقع پر ایک انڈا بھی تحفے میں دیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔'' (شرح فقہ الاکبر، ملاعلی القاری، ص479، مکتبہ الخسار، ترکی)

امام ابن تیمیہؒ

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اوپر بیان کیے گئے قول کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کی زبان سیکھنے اور اُن کے تہوار کے دن اُن کے کنیسہ میں محض داخل ہونے سے منع فرمایا ہے تو پھر اُن کے بعض کاموں کو کرنے کا کیا حال ہوگا؟ یا اُن کے دن کے تقاضے کے مطابق کسی کام کے کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ کیا کام کے اندر غیر مسلموں کی موافقت کرنا زبان کے اندر موافقت کرنے سے زیادہ سنگین نہیں ہے؟ یا اُن کے تہوار کے بعض کاموں کو انجام دینا محض اُن کے تہوار کے دن اُن کے پاس جانے سے زیادہ گمبھیر نہیں ہے؟ اور جب اُن کے تہوار کے دن اُن کے عمل کے سبب اُن پر ناراضگی

برستی ہے تو کیا جو شخص عمل یا اس کے بعض حصے میں ان کا ہم شریک ہوگا وہ اُس کی سزا سے دوچار نہیں ہوگا؟''

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ آگے جا کر لکھتے ہیں:

''کیا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان اللہ کے دشمنوں سے ان کے تہوار میں ملاقات کرنے اور ان کے ساتھ مل بیٹھنے سے منع نہیں کرتا؟ تو پھر اس شخص کا کیا حکم ہوگا جو اُن کے تہوار کو مناتا ہے؟''
(اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۴۵۸)

حافظ شمس الدین ذہبیؒ

امام الذہبی رحمہ اللہ نے غیر مسلموں کے تہوار منانے کے سلسلے میں درج ذیل فتویٰ دیا:
''جب یہودیوں کی خاص عید ہے اور عیسائیوں کی اپنی خاص عید ہے تو پھر جس طرح اُن کی شریعت اور قبلہ میں مسلمان شخص شریک نہیں، اسی طرح اُن کے تہواروں میں بھی شریک نہیں ہوسکتا۔'' (مجلۃ الحکمۃ ۳/۱۹۳)

علامہ ابن القیم الجوزیہؒ

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''کفار کے خصوصی شعار جو صرف ان کے ساتھ ہی خاص ہیں ان کی مبارکباد دینا متفقہ طور پر حرام ہے، مثلاً انہیں اُن کے تہواروں یا روزے کی مبارکبادی دیتے ہوئے یہ کہا جائے: آپ کو عید مبارک یا آپ کو یہ تہوار مبارک ہو۔ لہٰذا اگر اسے کہنے والا کفر سے بچ جائے تو پھر بھی یہ حرام کردہ اشیاء میں سے ہے، اور یہ اسی طرح ہے کہ صلیب کو سجدہ کرنے والے کسی شخص کو مبارکبادی جائے۔ اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے یہاں دین کی کوئی قدر وقیمت نہیں، وہ اِس کا ارتکاب کرتے ہیں اور انہیں یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ انہوں نے کتنا بڑا قبیح جرم کیا ہے۔ لہٰذا جس نے بھی کسی کو معصیت اور نافرمانی یا کفر و بدعت پر مبارکبادی اُس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غصہ اور ناراضگی پر پیش کر دیا۔''
(احکام اہل الذمۃ ۱/۴۴۱۔۴۴۲)

چنانچہ ویلنٹائن ڈے (یومِ محبت) کے موقع پر کسی کو مبارکباد دینا یا قبول کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ نہ تو یہ مسلمانوں کا تہوار ہے اور نہ ہی اُن کی عید، اور اگر کوئی مسلمان کسی کو ویلنٹائن ڈے پر مبارکباد دے بھی تو اُسے جواباً مبارکباد نہیں دینی چاہیے۔

شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ سے ویلنٹائن ڈے کے سلسلے میں فتویٰ پوچھا گیا جو کہ

درج ذیل ہے:

سوال: کچھ عرصہ سے یوم محبت کا تہوار منایا جانے لگا ہے اور خاص کر طالبات میں اِس کا اہتمام زیادہ ہوتا ہے، جو نصاریٰ کے تہواروں میں سے ایک تہوار ہے۔ اِس دن پورا لباس ہی سرخ پہنا جاتا ہے اور جوتے تک سرخ ہوتے ہیں اور آپس میں سرخ گلاب کے پھولوں کا تبادلہ بھی ہوتا ہے۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اِس طرح کے تہوار منانے کا حکم بیان کریں اور اس طرح کے معاملات میں آپ مسلمانوں کو کیا نصیحت کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے۔

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وبعد: یوم محبت کا تہوار کئی وجوہات کی بنا پر ناجائز اور حرام ہے:

1۔ یہ بدعی تہوار ہے اور اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

2۔ یہ تہوار عشق ومحبت کی طرف دعوت دیتا ہے۔

3۔ یہ تہوار دل کو اِس طرح کے سطحی رذیل امور میں مشغول کر دیتا ہے جو سلف صالحین کے طریقے سے ہٹ کر ہے، لہٰذا اس دن اس تہوار کی کوئی علامت اور شعار ظاہر کرنا جائز نہیں، چاہے وہ کھانے پینے میں ہو یا لباس یا تحفے تحائف کے تبادلہ کی شکل میں ہو یا اس کے علاوہ کسی اور شکل میں ہو۔ اور مسلمان شخص کو چاہیے کہ اپنے دین کو عزیز سمجھے اور ایسا شخص نہ بنے کہ ہر ہانک لگانے والے کے پیچھے چلنا شروع کر دے (یعنی ہر ایک کے رائے وقول کی صحیح وغلط کی تمیز کیے بغیر پیروی اور اتباع کرنے لگے)۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو ہر طرح کے ظاہری وباطنی فتنوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں اپنی ولایت میں لے اور توفیق سے نوازے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''
(بحواله: حكم الاحتفال بعيد الحب فى ضوء الكتاب والسنة)

ٹیکنالوجی سے بے حیائی میں اضافہ

آج ٹی وی ڈراموں، میوزک شوز، لچر افسانوں اور فلموں کے ذریعے نوجوانوں کے جنسی جذبات کو نہ صرف مشتعل کیا جاتا ہے بلکہ انہیں معاشقوں کے جدید ترین طریقے بھی سکھائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد نوجوان لڑکے لڑکیاں ای میل، انٹرنیٹ چیٹنگ اور سیل فون (جس کے اندر اب بے حیائی کو مزید بڑھانے کے لیے کیمرے اور انٹرنیٹ کی سہولت بھی مہیا کر دی گئی ہے) کے ذریعے معاشقے کرتے ہیں اور ویلنٹائن ڈے پر اُن کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح اُس دن پاکستان کے بڑے شہروں میں میوزیکل کنسرٹس منعقد کیے جاتے ہیں جو بے حیائی کا مرقع ہوتے ہیں اور اس میں شمولیت اختیار کرنے والے لڑکوں لڑکیوں کو تلقین کی جاتی ہے کہ وہ سب سرخ قمیصوں (red shirts) میں ملبوس ہو کر آئیں اور ایک دوسرے کے جذبات کو بھڑکائیں۔ دلچسپ

بات یہ ہے کہ عیسائی آرٹ میں سرخ رنگ کو شیطان کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، کیونکہ اُن کے مطابق: ”Red colour stands for devil“ ویسے بھی شیطان انسان کو اسی بے حیائی کا درس تو دیتا ہے جس کے مظاہرے کے لیے نوجوان سرخ لباس پہن کر میوزیکل شوز میں شامل ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ (البقرۃ: ۲۶۸)

”شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔“

یہ شیطان کے اسی درسِ بے حیائی کا نتیجہ ہے کہ مغربی صحافی خاتون امیلیا واز رمین (Amelia Wasserman) ویلنٹائن ڈے کے تباہ کن اثرات کے متعلق رقمطراز ہیں:

"In 2010, The Canadian Adultery site, Ashley Madison, reported a spike of new registrations from both men and women the day after Valentine's Day."

”2010ء میں کینیڈا میں شادی شدہ لوگوں کو آشنائی اور زناکاری پر ابھارنے والی سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹ نے رپورٹ دی کہ ویلنٹائن ڈے کے فوراً بعد مرد اور خواتین کی اس ویب سائٹ پر رجسٹریشن میں اضافہ ہوا۔“

Waserman, Amelia (Februray 14, 2011) "Stats Show Valentine's Day is Bad for Your Relationship" Technorati

مسلمانوں کے صرف دو ہی تہوار ہیں

مسلمانوں کے دو تہوار ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں، یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ انہی دو تہواروں پر ہمیں فخر ہونا چاہیے۔ زندہ قومیں دوسری اقوام سے تہوار مستعار نہیں لیا کرتیں۔ یہودی ایک زندہ قوم ہیں۔ وہ امریکہ میں رہتے ہوئے اپنے مذہب کی تعلیمات پر سختی سے کاربند ہیں۔ یہودی نوجوان لڑکوں لڑکیوں کو کبھی ویلنٹائن ڈے مناتے نہیں دیکھا گیا۔ ہندو بھی ایک بیدار قوم ہیں۔ یہ خبر 14 فروری 2003ء کو امریکی رسالے USA Today میں چھپی تھی، جس کا عنوان تھا: Anti-Valentine's Day activities erupt in India یعنی ویلنٹائن ڈے کے مخالفین انڈیا میں ظاہر ہو گئے۔ اس مضمون میں بتایا گیا تھا کہ ویلنٹائن ڈے کے مخالفین نے بمبئی اور دیگر شہروں میں ”انڈین کلچر کو بچاؤ“ کے نعروں کے ساتھ کارڈ بیچنے والی دکانوں پر چھاپے مار کر ویلنٹائن ڈے کے کارڈز کو آگ لگا دی کیونکہ اُن کے مطابق یہ تہوار نوجوانوں میں جنسی آوارگی (promiscuity) پیدا کرتا ہے۔ وہاں کی شیوسینا پارٹی کے رہنما بال ٹھاکرے نے کہا: ”ویلنٹائن ڈے انڈین سوسائٹی کے اخلاق اور کلچر کے خلاف ہے“۔ شیوسینا کے دوسرے سیاسی لیڈر اشور سنگھ چوہدری نے رائٹرز نیوز (Reuters) کو بغیر کسی معذرت خواہانہ انداز اختیار

کیے پوری خوداعتمادی کے ساتھ انٹرویو میں کہا:

”ویلنٹائن ڈے ایک فیشن بن گیا ہے۔ یہ ہمارے نوجوانوں کے کردار کو خراب (spoil) کر رہا ہے۔“

ذرا غور کریں، یہ پاکستان کا کوئی مولوی یا عالم دین نہیں بول رہا کہ ہم اُس پر تنگ نظری کا ٹھپہ لگا سکیں، یہ الفاظ ایک خوددار سیکولر ملک کے ایک سیاست دان کے ہیں۔

مغربی معاشرے میں اجتماعی بے غیرتی اور ویلنٹائن ڈے

مغربی معاشرے اور اسلامی معاشرے میں ایک بہت بڑا فرق یہ پایا جاتا ہے کہ مغربی معاشروں میں اجتماعی بے غیرتی معاشرے میں عام ہوتی ہے جبکہ صحیح اسلامی معاشرے میں اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں اچھائی اور برائی کی پہچان ودیعت فرمائی ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۪ۙ (الشمس)

”پھر انسانی نفس پر اس کی بدی اور اُس کی پرہیزگاری الہام کر دی۔“

اسی طرح سورۃ البلد میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ (البلد)

”اور ہم نے اُس کو خیر و شر کے دونوں نمایاں راستے دکھا دیے۔“

مغربی ماہرِ نفسیات اور سائیکالوجی میں Behaviorism کے مکتبِ فکر کا بانی جے بی واٹسن اپنی کتاب Behaviorism (مطبوعہ لندن، 1970ء) میں لکھتا ہے:

”پوری دنیا کے انسان ہی یہ پسند نہیں کرتے کہ انھیں جانوروں کی صف میں کھڑا کر دیا جائے، اور اُن میں جو چیزیں یہ احساس پیدا کرتی ہیں کہ وہ حیوان نہیں بلکہ حیوانوں سے بلند ہیں اُن میں سے ایک چیز حق و باطل کی تمیز (morals) ہے۔“

اسی طرح مغربی فلسفی ہول بیک (Dietrick Von Holback) نے مادّیت پرست ہونے کے باوجود انسان کی اخلاقی حِس کے وجود کو تسلیم کیا۔ وہ لکھتا ہے:

A conscience is the awareness of the influence which our conduct can have on the people that surround us as well as upon us and remorse is the fear we feel at the thought that our conduct can make other people hate us or be angry with us.

”خیر و شر کا احساس دراصل اس بات کے شعور کو کہتے ہیں کہ ہماری حرکات و سکنات اور کردار ہمارے ارد گرد کے لوگوں پر اثرات مرتب کرتے ہیں اور احساسِ ندامت دراصل ہمارا یہ خوف ہوتا ہے کہ ہمارے اعمال اور حرکات کی وجہ سے لوگوں کہیں ہم سے نفرت کرنا شروع

نہ کردیں یا ہم سے ناراض نہ ہو جائیں۔"

Dietrich Von Holbach (1889) Laws of the Moral and Physical World, new et. trans. H. D. Robinson. Boston.

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے شرم وحیا اور بھلائی انسان کی جبلت میں رکھ دی ہے۔ اِس لیے جب انسان بدی، فحاشی اور شر کا ارتکاب کرتا ہے تو اُس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے۔ چونکہ انسان کا ضمیر برے کاموں کے خلاف ایک قوی محرک ہوتا ہے اس لیے شیطان انسان کے خلاف ایک منفرد چال چلتا ہے اور وہ انسانوں کو اجتماعی گناہ کرنے پر اُکساتا ہے۔ جب انسان اپنے اردگرد کے لوگوں کو گناہ اور بے حیائی کے کام کرتا دیکھتا ہے تو اس کی اپنی اخلاقی حس کمزور (desensitize) ہو جاتی ہے اور وہ یہ سوچنا شروع کر دیتا ہے: But everyone around me is doing it (لیکن میرے اردگرد ہر کوئی یہ کام کر رہا ہے۔) پھر اُس کے لیے گناہ کا کام آسان ہو جاتا ہے، کیونکہ انسان کو کسی دوسرے شخص کے بُرا منانے کی فکر نہیں رہتی۔ مغربی معاشرے میں اجتماعی بے غیرتی کے مظاہر کی چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں:

(1) ساحلِ سمندر (beach) پر عورتیں مرد مل جل کر اِس اجتماع سے لطف لیتے ہیں۔ عورتیں تیراکی کا لباس (bikini) پہن کر ساحل سمندر پر سورج کی تپش (sunbath) لیتے ہوئے کسی گوشت کی مارکیٹ (meat market) کا منظر پیش کر رہی ہوتی ہیں۔ اِس کام میں اُن کے لیے شرم وحیا اس لیے رکاوٹ نہیں بنتی کہ دوسری عورتیں بھی تو یہی کام کر رہی ہوتی ہیں۔

(2) مغرب کے نائٹ کلبوں میں عورتیں مرد مل کر شراب پیتے ہیں اور سب مل جل کر مدھم روشنیوں (disco lights) میں رقص کرتے ہیں جبکہ بیک گراؤنڈ میں موسیقی چل رہی ہوتی ہے۔

(3) امریکہ اور کینیڈا میں ہائی سکول کے آخری سال (بارھویں جماعت) کے اختتام سے کچھ پہلے طلبہ وطالبات الوداعی پارٹی (prom party) کا بندوبست کرتے ہیں۔ انگلینڈ، آسٹریلیا اور آئرلینڈ میں اِس قسم کی پارٹیوں کے لیے (grand party) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ prom party میں نوجوان لڑکے لڑکیاں مل کر ڈانس کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ اسی پارٹی میں وہ ایک لڑکے کو prom king کے لیے منتخب کرتے ہیں اور ایک لڑکی کو prom queen کے لیے۔ یوں سب نوجوان مل کر خوب حرام کاریاں کرتے ہیں۔ کئی لڑکیاں اپنی کنوارگی اِسی پارٹی کے بعد کھو دیتی ہیں۔

(4) تیراکی کے پُول (swimming pools) بھی ایسے اجتماعی مقامات ہوتے ہیں جہاں پر سب لوگ مل کر عیاشی کرتے ہیں۔

(5) واٹر پارک (water parks) ایسے پارک ہوتے ہیں جہاں پر اکثر rides میں پانی سے

جسم بھیگ جاتا ہے۔ ان میں خواتین تیراکی کے لباس (یا چست لباس) پہن کر سواریاں لیتی ہیں اور مرد صرف نیکر پہن کر۔ یہ پارک بھی اجتماعی بے غیرتی کی جگہ ہوتے ہیں۔

(6) میوزیکل کانسرٹس (musical concerts) میں مرد اور عورتیں مل کر شرکت کرتے ہیں۔ سٹیج پر گانے والے گلوکار اور گلوکارائیں میوزک کے ذریعے اُن حاضرین کی حیوانی روح کو بیدار کرتے ہیں۔ پھر کانسرٹس میں شامل عورتیں اور مرد ہاتھوں کو ایک ساتھ ہلاتے ہیں (hand-waving) یا اٹھ کر ڈانس کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

(7) مغربی معاشرے میں اپنی بیوی کو ریسٹورنٹ (restaurant) میں جا کر کھانا کھلانا لائق تحسین سمجھا جاتا ہے۔ افسوس کہ آج پاکستان میں بھی بعض مسلمان خاوند حضرات مغرب کی نقالی میں اپنی بیویوں کو ریسٹورنٹس میں نامحرم مردوں کی موجودگی میں بٹھا کر کھانا کھلاتے ہیں۔ اب یہ کام معاشرتی رتبے کا نشان (status symbol) بن گیا ہے۔ نجانے مسلمان مردوں کی غیرت کو کیا ہو گیا ہے۔ اقبال نے سچ کہا تھا:

یہ کوئی دن کی بات ہے، اے مردِ ہوش مند!
غیرت نہ تجھ میں ہوگی، نہ زن اوٹ چاہے گی

البتہ اگر کسی ریسٹورنٹ میں مکمل پردے کا بندوبست موجود ہے جہاں نامحرم مرد حضرات آپ کی بیوی کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے تو ایسے ریسٹورنٹ میں جانے میں کوئی حرج نہیں۔

(8) اسی طرح کی اجتماعی بے غیرتی کے اظہار کے لیے مغربی ممالک میں اب ویلنٹائن ڈے منایا جاتا ہے۔ اِس موقع پر نوجوان لڑکے لڑکیاں ہائی سکولوں اور کالجوں میں پارٹیاں کرتے ہیں، ریسٹورنٹس میں ملاقاتیں کرتے ہیں، کیفیز (cafes) پر dating کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے برسرِ عام محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

اِس تمام تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ویلنٹائن ڈے کے اندر کس طرح اجتماعی بے حیائی کی روح کارفرما ہے جو مغربی معاشرے کے تمام اجتماعات میں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر جو اخلاقی حس (moral sense) فطری طور پر موجود ہوتی ہے جو بے حیائی یا دیگر گناہ کے کام کرنے سے اُسے روکتی ہے اُس اخلاقی حس کو بڑی آسانی سے اُس وقت سلایا جاسکتا ہے جب اجتماع میں باقی سارے لوگ بے غیرتی یا بے حیائی کا مظاہرہ کر رہے ہوں۔ ایسی اجتماعی بے حیائی کا اسلامی معاشرے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سورۃ النور (آیت ۱۹) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جو لوگ اسلامی معاشرے میں گناہوں کے پھیلانے کو پسند کرتے ہیں اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ یہ اس لیے ہے تا کہ معاشرے میں لوگوں کی

اخلاقی حس مَر نہ جائے جو اسلامی معاشرے کا طرۂ امتیاز ہے۔

مغربی معاشرے میں قدم قدم پر عورتوں اور مردوں میں موجود حیا کے جذبے کو کچلا جاتا ہے۔ اِس معاشرے میں لڑکیوں کو بچپن سے ہی نیم عریاں لباس پہنایا جاتا ہے تاکہ بلوغت میں قدم رکھتے ہی اُن کے اندر کی فطری شرم وحیا کہیں سر نہ اٹھالے۔ وہاں پر حیا اور پاکدامنی (chastity) کا تصور موجود نہیں رہا اور اسی کے نتیجے میں میاں بیوی کا تعلق بھی پاکیزہ تعلق نہیں رہا۔ مغربی معاشرے میں میاں بیوی کے تعلق میں دو انسان ''رفع حاجت'' کے لیے ملتے ہیں اور دل بھر جانے کے بعد دونوں اپنے اپنے اگلے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ ویلنٹائن ڈے اِسی آزاد تعلق کو منانے کا دن ہے۔

اسلام میں حیا کا تصور بہت بلند ہے۔ اسلامی معاشرے کی بنیاد ہی شرم وحیا پر رکھی گئی ہے جس معاشرے میں زنا کرنا ہی نہیں بلکہ اُس کے اسباب پھیلانا بھی ایک جرم ہے (ملاحظہ ہو سورۃ النور)۔ اسلامی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے کہ جس میں اگر کسی پر زنا کا الزام لگا دیا جائے اور ثبوت میں چار سچے گواہ نہ پیش کیے جائیں تو الزام لگانے والے کو اسّی (80) کوڑے مارے جاتے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں عفت وعصمت کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ مرد اور عورت کے لیے اس کے بغیر جینا مشکل ہوتا ہے۔

اسلام اور کورٹ شپ (dating/courtship)

اسلام میں کورٹ شپ (شادی سے پہلے کے تعلقات) کی قطعاً اجازت نہیں۔ اسلام میں جہاں آزاد شہوت رانی حرام ہے وہاں چوری چھپے آشنائیاں بھی حرام ہیں۔ (سورۃ النساء، آیت ۲۵) اسلامی تعلیمات کے مطابق لڑکی لڑکے کا جب تک نکاح اور رخصتی نہ ہو جائے، وہ ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہی رہتے ہیں۔ صرف منگنی انہیں محرم نہیں بنا سکتی۔ یہ جو ٹی وی ڈراموں میں دکھایا جاتا ہے کہ منگنی کے بعد لڑکے لڑکی ٹیلی فون پر رابطے کرتے ہیں، تنہائیوں میں ملتے اور عشقیہ گفتگو کرتے ہیں، پارکوں اور دریاؤں کے کنارے، کھلی فضا میں پکنک مناتے ہیں یا کاروں میں تنہا سیر وتفریح کرتے ہیں، یہ سب اسلامی شریعت کی رُو سے حرامِ مطلق ہے اور غیر مسلم قوموں کی نقالی ہے۔ ویلنٹائن ڈے پر محبت بھرے کارڈز کا تبادلہ کرنا یا چاکلیٹیں وغیرہ دینا بھی اسی قبیل کی شے ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اسلامی کلچر کی سب سے بڑی خصوصیت ''شرم وحیا'' بتائی ہے۔ فرمایا:

((اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ))

(موطا امام مالک، کتاب الجامع، باب حُسن الخلق)

''ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیا ہے۔''

لفظ ''حیاء'' کا مادہ اصل عربی زبان میں ''حیات'' ہے جس کا مطلب ''زندگی'' ہے، یعنی امت مسلمہ کی زندگی ''شرم وحیا'' سے ہے اور بے حیائی میں مسلمان قوم کی موت ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی:

((اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) (صحیح البخاری، کتاب الادب)

''اگر تم حیا نہ کرو تو جو چاہو کرو!'' (بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن!)

اسلام دینِ فطرت ہے اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اسلام غیر محرم مردوں عورتوں کو شادی سے باہر کے تعلقات کی اجازت نہیں دیتا، کیونکہ کورٹ شپ یا لڑکی لڑکے کی شادی سے پہلے کی دوستی میں وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنی زندگیوں کے صرف روشن پہلو ہی دکھاتے ہیں۔ ایسے آزادانہ ماحول میں سب سے زیادہ گھاٹا عورت کو ہوتا ہے، کیونکہ بقول ڈاکٹر بلال فلپس (کینیڈا کے نومسلم عالم اسلام):

''عورتیں معاشرے کا جسمانی لحاظ سے کمزور حصہ ہوتی ہیں اور مرد مضبوط۔ جب بھی مضبوط اور کمزور کا آزادانہ میل جول ہوگا تو مضبوط کمزور کا استحصال کرے گا۔''

ماہرین نفسیات اور سوشیالوجسٹ حضرات کی تحقیقات نے اس سلسلے میں کافی ثبوت مہیا کیا ہے کہ ڈیٹنگ، کورٹ شپ اور شادی سے پہلے ''دوستی'' اور ''بدکاری'' مستقبل میں پائیدار اور مضبوط ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

ہائی سکولوں میں ایک اوسط معاشقے (average romantic relationship) کی مدت تقریباً 11 ہفتے ہوتی ہے جیسا کہ عمرانی علوم کے ایک نہایت مؤقر جریدے Journal of Biosocial Science کے 2000ء کے شمارے میں شائع ایک تحقیق میں دو یورپی محققین نیویل بروس (Neville Bruce) اور کیتھرین سینڈرز (Katherine Sanders) نے یہ ثابت کیا تھا۔

مستقبل میں زندگی کے نشیب وفراز میں میاں بیوی کے ساتھ رہنے اور طویل ومضبوط تعلق قائم ہونے کے معاملے میں ایسے مختصر معاشقے لڑکی لڑکے کو بدترین قسم کی تیاری کرواتے ہیں۔ بروس اور سینڈرز کے مشاہدات پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر لیونارڈ سیکس اپنی کتاب Why Gender Matters (مطبوعہ نیویارک، 2000ء) میں لکھتے ہیں:

''اکثر والدین یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے بچوں کے نوجوانی کے دور کے معاشقے انہیں مستقبل میں میاں بیوی کے زیادہ سنجیدہ تعلقات کے لیے اچھی تیاری کرواتے ہیں۔

دراصل ہم چلنا سیکھنے سے پہلے بھاگنا نہیں سیکھ سکتے۔ ماہرین نفسیات جو نوجوانوں کے معاشقوں کا مطالعہ کرتے ہیں وہ ایک مختلف ہی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔''

پھر ڈاکٹر سیکس دو ماہرین نفسیات وائنڈول فرمین (Wyndol Furman) اور الزبتھ ویہنر (Elizabeth Wehner) کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے نوجوانوں کے معاشقوں پر کئی سال تک تحقیقات کیں۔ ان مڈل سکول اور ہائی سکول کے متعلق وائنڈول اور الزبتھ نے بیان کیا کہ ''ان نوجوانوں (adolescents) کے معاشقوں کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے سے وابستگی اور وفاداری قائم ہو......اس کی بجائے ان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے معاشقوں کا مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ وہ کیا ہیں، وہ کتنے پرکشش ہیں......اور یہ سب کچھ اُن کے دوستوں یا سہیلیوں کے گروپ میں کیسا سمجھا جاتا ہے۔''

Shulman, Shmuel & Collins, Andrew, eds., (1997). Romantic Relationships in Adolescence: Developmental Perspectives. San Francisco, Wiley.

اس طرح کے معاشقوں کے نتیجے میں نوجوان ایسی بہت سی بری عادات کا شکار ہو جاتے ہیں جو مستقبل میں ان کی شادی شدہ زندگی میں فساد پیدا کرتی ہیں۔ وائنڈول اور الزبیتھ کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر لیونارڈ سیکس لکھتے ہیں:

''معاشقوں (love affairs) اور ڈیٹنگ کے تعلقات کے دوران نوجوان بہت سی بری عادات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک لڑکے کو یہ عادت پڑ جاتی ہے کہ وہ اپنی گرل فرینڈ کو صرف جنسی تسکین کا ذریعہ سمجھے، بغیر ایک انسانی رشتہ کی قدر کرنے کے۔ ایک لڑکی کو یہ عادت پڑ سکتی ہے کہ وہ لڑکے کو صرف ایک ''ٹرائی بوائے فرینڈ'' سمجھے، بغیر ازدواجی زندگی کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے۔ اور ہو سکتا ہے کہ دونوں کو یہ عادت پڑ جائے کہ جونہی کوئی زیادہ بہتر نظر آنے والا/ والی یا زیادہ مقبول پارٹنر نظر آئے تو پہلے والے/ والی کو چھوڑ دیا جائے...... جب یہ نوجوان مکمل جوانی میں پہنچتے ہیں اور سنجیدہ ازدواجی زندگی شروع کرنے کا ٹائم آتا ہے تو ان لڑکوں، لڑکیوں کو ایسی بہت سی بُری عادات پڑ چکی ہوتی ہیں جن سے انہیں چھٹکارا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ زیادہ بہتر ہوتا کہ نوجوانی میں شادی سے پہلے ایسے معاشقے (affairs) انہوں نے نہ ہی کیے ہوتے۔''

آج میڈیا، ٹی وی، انٹرنیٹ، وغیرہ کی وجہ سے امریکہ میں نوجوان اپنے والدین سے باغی ہو کر کورٹ شپ اور ڈیٹنگ کرتے ہیں اور اُس کے بھیانک نتائج سب کے سامنے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے تک دنیا کے اکثر کلچرز میں لڑکے لڑکیاں شادی سے پہلے

گھلتے ملتے نہیں تھے، حتیٰ کہ وہ شادی کی عمر کو پہنچ جاتے، بلکہ دنیا کے اکثر کلچرز میں آج بھی والدین کی مرضی سے شادیاں (arranged marriages) ہوتی ہیں۔ امریکہ کی کارنیل یونیورسٹی کی سماجی مؤرخ خاتون جواین برمبرگ (Joan Brumberg) اپنی کتاب The Body Project (مطبوعہ نیویارک، 1997ء) میں بیان کرتی ہیں کہ ''1950ء سے پہلے امریکہ میں والدین عام طور پر اپنے بچوں کو بالخصوص اپنی بیٹیوں کو کورٹ شپ، ڈیٹنگ یا شادی سے پہلے لڑکوں سے ملاقاتوں کی اجازت نہیں دیتے تھے۔''

ویلنٹائن ڈے اور خودکشی

ویلنٹائن ڈے چونکہ ایک شیطانی تہوار ہے اس لیے اسے منانے کے موقع پر یا اُس کے فوراً بعد انسان کے اندر خالی پن کا احساس (feeling of emptiness) اور مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ بعض نوجوان لڑکوں لڑکیوں کے لیے یہ مایوسی خودکشی کا باعث بن جاتی ہے۔ ویلنٹائن ڈے پر مایوسی سے متعلق نیویارک ریاست کی سائیکوتھیراپسٹ اور ٹیچر ڈائین بارتھ (Diane Barth) سائنسی جریدے Psychology today میں رقمطراز ہیں:

''ویلنٹائن ڈے بذاتِ خود بھی تعجب (surprise) سے بھرا ہوتا ہے، کبھی اچھی حیرت ناک باتیں لیکن اکثر اوقات بری تعجب خیز باتیں۔ اس دن مایوسی یقینی ہوتی ہے کیونکہ یہ تہوار اپنے بنائے ہوئے معیار پر مشکل سے ہی پورا اتر سکتا ہے۔ محبت کے لمحوں کے خیالی پلاؤ کی جگہ حقیقت اپنے ساتھ کھچا کھچ بھرے ریسٹورنٹ، روزمرہ کی عام گفتگو، بدصورتی اور غیر ضروری توجہ لے کر آتی ہے۔''

Barth, F. Diane (L.C.S.W) "Breaking Up on Valentine's Day" Psychology Today.

ڈنمارک کے خودکشیوں پر تحقیق کے ادارے (Center For Suicidological Research) کے ماہر قانون محقق گیٹ جیسن (LD, MA,Gart Jessen) اور اُن کے معاون محقق بورگ جینسن (Borge Jensen) نے 1970ء سے 1994ء تک ڈنمارک میں ہونے والے 32,291 خودکشی کے واقعات پر تحقیق (case study) کی۔ خودکشی کرنے والوں کی عمریں 15 سال اور اس سے زیادہ تھیں۔ انھوں نے خودکشی اور عوامی تہواروں کے آپس کے تعلق کا تجزیہ کیا۔ اُن کے مطابق:

''اِس تحقیق میں اس بات کا ثبوت ملا ہے کہ 'امید ٹوٹ جانے کا اثر' (Broken promise effect) والے نظریے کا عوامی تہواروں سے گہرا تعلق ہے، جس کے مطابق

بہت سی خودکشیوں کو عوامی تہواروں (Public holidays) کے آنے پر ملتوی کیا گیا اور عوامی تہوار کے فوراً بعد خودکشیاں کی گئیں...... اِس نظریہ کے مطابق ایک خودکشی کرنے والے شخص پر آنے والے تہوار اس طرح اثر انداز ہو سکتے ہیں (مثلاً موسمِ بہار، ویک اینڈ اور عوامی تہوار) کیونکہ اُن کے آنے سے اُس شخص کے لیے امید پیدا ہوتی ہے اور وہ شخص پہلے سے بہتر محسوس کرنا شروع ہوتا ہے۔ آنے والا موقع ایک طرح سے ’نئی ابتدا‘ کی امید لا رہا ہوتا ہے کہ اب حالات بہتر ہو جائیں گے۔‘‘

ڈاکٹر گیٹ جیسن کے مطابق جب ایسے لوگوں کی عوامی تہوار پر امیدیں پوری نہیں ہو سکتیں تو اس کے نتیجے میں وہ خودکشی کر دیتے ہیں۔

اِس تحقیق سے ہمیں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آخر کیوں اسلام کے دونوں بڑے تہواروں (یعنی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ) کی ابتدا ہی نماز اور اللہ کو یاد کرنے سے ہوتی ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے مطابق:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد)

’’خبردار رہو، اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔‘‘

پھر عید کے خطبے میں اللہ کی حمد وثنا کے علاوہ قیامت کے دن، آخرت، جنت اور دوزخ کا ذکر کیا جاتا ہے جو کہ سورہ ق میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب ابو واقد اللیثی سے پوچھا گیا: ’’رسولِ کریم ﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کی نماز میں کونسی سورتیں تلاوت کرتے تھے؟‘‘ تو انھوں نے جواب دیا:

کان یقرا فیھا بسورة ق والقرآن المجید وسورة القمر۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب یقرا به فی صلاة العید۔ ابوداود، کتاب الصلاة)

’’آپ ﷺ ان دو رکعتوں میں سورہ ق اور سورۃ القمر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔‘‘

چنانچہ جب مسلمان اپنے اسلامی تہوار کی ابتدا اللہ کے ذکر اور آخرت اور جنت و دوزخ کی یاد دہانی سے کرتے ہیں تو انھیں خالی پن کا احساس نہیں ہوتا اور ’’امید ٹوٹ جانے کا اثر‘‘ (Broken Promise Effect) کی کیفیت بھی نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جنت کا جو وعدہ کیا ہے وہ سچا اور نہ ٹوٹنے والا وعدہ ہے۔ ایک خاتون اُمّ ہشام بن حارثہ، جو حضور ﷺ کی پڑوسن تھیں، بیان کرتی ہیں کہ مجھے سورہ ق یاد ہی اس طرح ہوئی کہ میں خطبوں میں اکثر آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اُس کو سنتی تھی۔

بہرحال گیٹ جیسن کی خودکشی اور عوامی تہواروں پر کی گئی تحقیق کے نتائج کو ویلنٹائن ڈے کے

تہوار پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے۔

گیٹ جیسن کی تحقیق سے بھی زیادہ اہم تحقیق برطانیہ کے ملکہ الیزبتھ اسپتال کے سائیکیٹری (Psychiatry) ڈیپارٹمنٹ کے پروفیسر جین برٹل (Dr. Jan Birtle) اور سوزن ڈیون پورٹ (Susan M Davenport) نے کی جو 1990ء میں میڈیکل جریدے (Brirtish Medical Journal) میں شائع ہوئی۔ انھوں نے دریافت کیا کہ برمنگھم ہسپتال، انگلینڈ، کے ایمرجنسی وارڈز میں خودکشی کی ناکام کوششوں کے واقعات کی شرح سال کے باقی دنوں کے مقابلے میں ویلنٹائن ڈے کے موقع پر کئی گنا بڑھ گئی۔ وہ اپنے ریسرچ پیپر میں لکھتے ہیں:

(ترجمہ) ’’ایمرجنسی ڈیپارٹمنٹ میں تجرباتی مشاہدے سے پتا چلا ہے کہ مریضوں کی غیر معمولی تعداد نے خودکشی کی ناکام کوشش میں خواب آور ادویات کی بہت زیادہ مقدار کھائی ہوئی تھی جبکہ وہ ویلنٹائن ڈے (14 فروری) کا موقع تھا۔ ممکن ہے کہ ویلنٹائن ڈے کے تہوار پر محبت میں ناکامی کی وجہ سے لوگ ذہنی دباؤ کا شکار ہوتے ہوں۔ ہماری تحقیق نے سینٹ ویلنٹائن ڈے (یوم محبت) اور خودکشی کی ناکام کوششوں میں ایک واضح تعلق ثابت کیا بالخصوص نوجوانوں میں۔‘‘

ابھی دور کہاں جائیں، حال ہی میں 14 فروری 2012ء کو جنوبی بنگلہ دیش میں نوجوان لڑکے لڑکی نے ویلنٹائن ڈے کے موقع پر خودکشی کر لی کیونکہ لڑکی کی شادی زبردستی کسی دوسرے آدمی سے کروا دی گئی تھی۔ پولیس انسپکٹر سروجیت بسواس نے بتایا کہ دو ماہ قبل ہلاک ہونے والے نوجوان سعود شیخ کے ساتھ ہلاک ہونے والی لڑکی میتو مولا کے تعلقات منظر عام پر آنے کے بعد میتو کے گھر والے اسے اُس کے گاؤں سے 200 کلومیٹر دور ایک قصبے میں لے گئے تھے جہاں انھوں نے میتو کی شادی ایک دوسرے شخص سے کر دی۔ 14 فروری 2012ء کو ویلنٹائن ڈے کے موقع پر ضلع گوپال گنج کے ایک موبائل فون ٹاور سے سعود شیخ اور میتو مولا نے چھلانگ لگا کر خودکشی کر ڈالی۔ جب اُن کی لاشیں ملیں تو ان دونوں کے ہاتھ ایک سُرخ دوپٹے سے ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے۔ (بحوالہ: خبر جنوبی ایشیا، 14 فروری 2012ء)

اوپر بیان کی گئی تحقیقات یہ ثابت کرتی ہے کہ ویلنٹائن ڈے اتنا افسردہ کرنے والا (depressing) موقع ہوتا ہے کہ اس کا اثر طلبہ وطالبات اور نوجوان لڑکوں لڑکیوں کی زندگیوں پر مرتب ہوتا ہے، کیونکہ یہ ایک شیطانی تہوار ہے اور شیطان کے لیے قرآن میں کئی جگہ ’’ابلیس‘‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی ’’خدا کی رحمت سے مایوس‘‘۔ شیطان لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس کر کے بدی پر اکساتا ہے جیسا کہ سورۃ النور (آیت ۲۱) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ

"اور جو کوئی شیطان کی پیروی کرے گا تو وہ تو اُسے بے حیائی اور برائی ہی کا حکم دے گا۔"

ویلنٹائن ڈے کا رومانوی تعلقات توڑنے میں اہم کردار

عمرانی سائنسی تحقیقات سے پتا چلا ہے کہ ویلنٹائن ڈے رومانوی اور ازدواجی تعلقات کو توڑنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ امریکہ کی ریاست ایریزونا کی سٹیٹ یونیورسٹی کی محقق خاتون کیتھرین مورس (Katherine A Morse) اور سائنسدان سٹیون نیوبرگ (Steven L.Newberg) نے 1999ء سے 2000ء میں یہ تحقیق کی جو سائنسی جریدے Personal Relationships کے 2004ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ ان کے مطابق اپنی محبت کا اظہار کرنے والا عاشق یا منگیتر یا خاوند ویلنٹائن ڈے کے موقع پر چاہے کتنا ہی محبت کا اظہار کرے لیکن اُس پر یہی شک کیا جائے گا کہ وہ اِس تہوار کی مناسبت سے صرف دکھلاوا کر رہا ہے۔ اور جب توقعات پوری نہیں ہوتیں تو اُس کے منفی اثرات انسانوں کے آپس کے تعلقات پر مرتب ہوتے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ کہ مغرب کے باقی اجتماعات کی طرح یہ تہوار بھی مخلوط طور پر اجتماعی بے غیرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے منایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر کیتھرین مورس رقمطراز ہیں:

(ترجمہ ''چونکہ اکثر جوڑے یہ تہوار پبلک میں مناتے ہیں اِس لیے ویلنٹائن ڈے ہر کسی جوڑے کو اپنے تعلقات کا دوسرے جوڑوں کے آپس کے تعلقات سے موازنہ کرنے کا خاص موقع مہیا کرتا ہے۔ لیکن ایسا کرنے کے بہت سے نقصانات ہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ہم اُس وقت یہ احساس نہ کر سکتے کہ بہت سے جوڑے جو بظاہر ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں وہ صرف ویلنٹائن ڈے کی رسومات کو پورا کر رہے ہوتے ہیں اور یہ بات بڑی آسانی سے پبلک میں ''دل پھینک قسم کی سستی اجتماعی محبت'' (Pluralistive Puppy Love) کا روپ اختیار کر لیتی ہے اور آپس کے رومانی تعلقات میں محبت کی مقدار کے متعلق لوگوں کے معیاروں کو منحرف کر کے رکھ دیتی ہے۔ نتیجتاً غیر موزوں معاشرتی موازنوں کی وجہ سے منفی اثرات اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے اور اِس صورت میں تعلقات ٹوٹنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔''

یہی نہیں بلکہ ویلنٹائن ڈے کو پبلک میں منانے کی وجہ سے لڑکوں اور لڑکیوں کو پتا چلتا ہے کہ معاشرے میں اور لڑکے لڑکیاں بھی موجود ہیں جن سے عشق رچایا جاسکتا ہے اور بہتر عشق کی امیدیں باندھی جاسکتی ہیں۔ محققین کیتھرین اور نیوبرگ کے مطابق اس وجہ سے بھی جوڑوں کے آپس کے تعلقات ٹوٹتے ہیں اور وہ بہتر سے بہترین کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔

اِس لحاظ سے دیکھا جائے تو جن لڑکوں لڑکیوں کی اُن کے والدین نے منگنیاں (engagements) کی ہوئی ہیں وہ بھی اپنے تعلقات کو ٹوٹنے سے بچانا چاہتے ہیں تو وہ ویلنٹائن ڈے جیسے تہواروں اور کورٹ شپ سے دور رہیں، کیونکہ آج مغرب کے عمرانی سائنسدان بھی ایسے غیر فطری تہواروں کے خلاف اپنی تحقیقات پیش کر رہے ہیں۔

آخر پر ہم ایسے مردوں عورتوں کو بھی تنبیہ کرتے ہیں جو شادی شدہ ہیں لیکن کبھی معاشرے میں دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی یا کبھی اپنی بیوی کو surprise دینے کی خاطر یا اُس کا دل جیتنے کی خاطر اُسے ویلنٹائن ڈے کے موقع پر ریسٹورنٹوں میں نامحرم مردوں کے سامنے بے پردہ کر کے خود بھی خوار ہوتے ہیں اور اُسے بھی خوار کرتے ہیں، انھیں بھی سمجھ لینا چاہیے کہ بیوی کا دل صرف ویلنٹائن ڈے پر سرخ رنگ کے ڈبے میں چاکلیٹیں دینے یا پھول دینے یا ریسٹورنٹ میں کھانا کھلانے سے ہی خوش نہیں ہوتا۔ رسولِ کریم ﷺ کی سیرت بحیثیت ایک کامیاب خاوند کے ہمارے سامنے موجود ہے جس میں بیوی کا دل جیتنے کے بے شمار جائز طریقے دیکھے جاسکتے ہیں۔ غیر مسلموں کے تہواروں کو منانے سے آپس کے تعلقات مضبوط نہیں بلکہ کمزور ہوتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس عشق ومحبت (love) کا ویلنٹائن ڈے درس دیتا ہے وہ دراصل شہوت پرستی (lust) ہوتی ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات کو ویلنٹائن ڈے یا عشق قائم نہیں رکھتے بلکہ ایک دوسرے کے لیے رعایت اور کرم فرمائی (courtesy) ازدواجی زندگی کو قائم رکھتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص اُن کے پاس آ کر کہنے لگا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے۔ عمر فاروقؓ نے اُس سے پوچھا: لِمَ طَلَّقْتَهَا؟ (تم اپنی بیوی کو کیوں طلاق دے رہے ہو؟) اُس نے جواب دیا: لَا اُحِبُّهَا (مجھے اب اس سے محبت نہیں رہی) عمرؓ بن خطاب نے اُس سے کہا:

اَوَكُلَّ الْبُيُوْتِ بُنِيَتْ عَلَى الْحُبِّ؟ فَاَيْنَ الرِّعَايَةُ وَالتَّذَمُّمُ؟

''کیا تمام گھروں کی بنیاد محبت پر ہوتی ہے؟ آخر رعایت وکرم فرمائی (courtesy) اور محافظت (guardianship) کہاں گئے؟''

(فصل الخطاب فی سیرت ابن الخطاب امیرالمومنین عمر بن خطاب۔ للشیخ الدکتور علی محمد الصلابی۔ المکتبہ العصریہ۔)

نیکی کا حکم کرنے اور برائی کے خلاف آواز بلند کرنے کی فضیلت

مسلمان امت کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی بنا پر اُنھیں ''بہترین امت'' کا لقب دیا گیا ہے وہ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا فریضہ انجام دینا ہے۔ اسی کے متعلق قرآن میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران: ۱۱۰)

’’اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

’’تم میں سے کوئی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو ہاتھ سے روکے۔ اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے، اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتا تو کم از کم اُسے دل میں برا جانے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔)

مسلمانوں میں سے جو بھی اِس تہوار کو مناتا ہے اُس کی معاونت (help) نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اُسے اس کام سے (حکمتِ تبلیغ کے ساتھ) روکنا چاہیے، کیونکہ مسلمانوں کا کفار کے تہوار منانا ایک منکر (evil act) اور برائی ہے جس سے منع کرنا واجب ہے۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ’’جس طرح ہم کفار کے تہواروں میں ان کی مشابہت نہیں کرتے اسی طرح مسلمانوں کی اس سلسلے میں مدد واعانت بھی نہیں کی جائے گی بلکہ انہیں اِس سے روکا جائے گا۔‘‘ (الاقتضاء 2/520-519) شیخ الاسلام کے فیصلے کی بنا پر مسلمان تاجروں کے لیے جائز نہیں کہ وہ ’’یوم محبت‘‘ کے تحائف کی تجارت کریں، چاہے وہ کوئی معین قسم کا لباس ہو، یا سرخ گلاب کے پھول وغیرہ، اور اسی طرح اگر کسی شخص کو یوم محبت میں کوئی تحفہ دیا جائے تو اُس تحفہ کو قبول کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ اسے قبول کرنے میں اس تہوار کا اقرار اور اسے صحیح تسلیم کرنا ہے اور باطل ومعصیت میں مدد ہے۔ (بحوالہ ایضاً)

آج ہمارے اسلامی معاشرے میں جو لوگ ویلنٹائن ڈے اور اُس کے ساتھ آنے والی بے حیائی کے خلاف آوازِ احتجاج اُٹھاتے ہیں (چاہے وہ مذہبی جماعتوں کے کارکن ہوں یا اخبارات کے صحافی یا میڈیا کے صالح مبصرین) وہ لوگ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا عظیم فریضہ انجام دے رہے ہیں اور اُن کے لیے اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔ مثلاً جو لوگ 14 فروری کو ویلنٹائن ڈے کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے ’’یومِ حیا‘‘ مناتے ہیں وہ بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا عظیم فریضہ انجام دے رہے ہیں، کیونکہ اسلامی معاشرے کی زندگی ’’حیا‘‘ سے ہے اور اس کی موت

’’بے حیائی‘‘ میں ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ برائی کو اپنے گھر میں یا اپنے خاندان میں یا معاشرے میں دیکھتے ہیں لیکن اُس کے خلاف کسی قسم کا احتجاج نہیں کرتے کہ کہیں اُن کی اپنی مقبولیت میں کمی نہ آجائے یا لوگ اُن سے ناراض نہ ہو جائیں تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ سنن ترمذی میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عن المنكرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللهُ اَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُوْنَه فلا يستجاب لَكُمْ۔ (امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے)

’’قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم ضرور بالضرور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہو گے، ورنہ بہت قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تم پر کوئی عذاب مسلط کردے، پھر تم دعائیں بھی مانگو گے تو تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل پر وحی کی کہ فلاں بستی کو اُس کے باشندوں کے ساتھ اُلٹ دو! جبرائیل نے کہا: اے رب! اِس میں تیرا فلاں بندہ بھی تو ہے جس نے ایک لمحے کے لیے بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِس بستی کو سب سے پہلے اُس عبادت گزار پر اُلٹو! اس لیے کہ (بستی میں نافرمانی ہوتی رہی اور) میری حمیت میں ایک گھڑی کے لیے بھی اُس شخص کے چہرے کا رنگ متغیر نہیں ہوا۔‘‘ (بیہقی)

چنانچہ صرف اپنی ذات کی حد تک نیک ہونا اور خود برائیوں سے بچنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہماری نجات صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب ہم ایمان کے بعد، عمل صالح بھی کریں اور حق بات کی نصیحت (تواصی بالحق) لوگوں کو کرتے رہیں، یعنی نیک کام کرنے کا حکم دیتے رہیں اور منکرات (برائیوں) سے روکتے رہیں۔ صرف اِسی صورت میں ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اجتماعی عذاب سے بچ سکتے ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت، اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

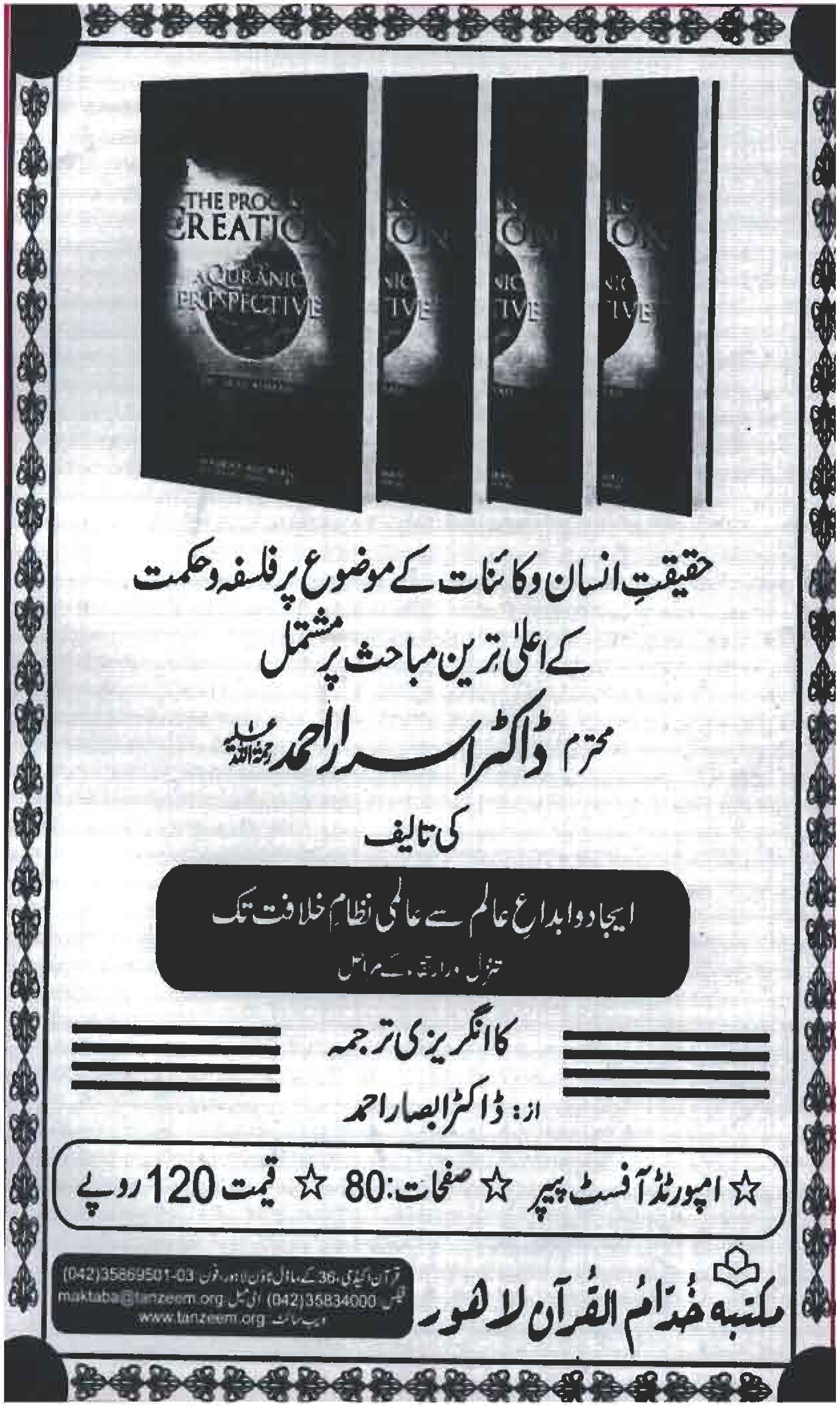

THE PROCESS OF CREATION
A QURANIC PERSPECTIVE
حقیقتِ انسان و کائنات کے موضوع پر فلسفہ و حکمت
کے اعلیٰ ترین مباحث پر مشتمل
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کی تالیف
ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک
تنزل و ارتقاء کے مراحل
کا انگریزی ترجمہ
از: ڈاکٹر ابصار احمد
☆ امپورٹڈ آفسٹ پیپر ☆ صفحات: 80 ☆ قیمت 120 روپے
مکتبہ خدام القرآن لاہور
قرآن اکیڈمی، 36۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 03-35869501(042)
فیکس: 35834000(042) ای میل: maktaba@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

گلے میں ہو خراش، آئے ورم یا آواز بیٹھ جائے
شربت توت سیاہ
سردی آتے اور جاتے وقت گلے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے ایسے میں
گلے میں خراش، ورم آنے یا آواز بیٹھ جانے
کی شکایات عام ہوتی ہیں۔ ہمدرد شربت توت سیاہ کی چند خوراکیں گلے کی
ان شکایات کا فوری خاتمہ کرتی ہیں۔ اب سردی آئے یا جائے۔ آپ
کے گلے کو کیا گلہ۔ کیونکہ آپ کو تو ہے ہمدرد شربت توت سیاہ ملا۔
ہمدرد
بولو کُھل کُھلا کے!